# علامہ اقبال کے اردو کلام میں تذکارِ اصحابِ رسول رضوان اللہ علیھم اجمعین: تجزیاتی مطالعہ

**مقالہ نگار**

محمد ساجد خان

**فیکلٹی آف سوشل سائنسز**

**نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد**

**سیشن:22-2021ء**

# علامہ اقبال کے اردو کلام میں تذکارِ اصحابِ رسول رضوان اللہ علیھم اجمعین: تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے **ایم فل علوم اسلامیہ**


**مقالہ نگار**

محمد ساجد خان

ایم فل علوم اسلامیہ

10-Mphil/IS/S20

**نگران مقالہ**

ڈاکٹر محمد ریاض محمود

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ فکرِ اسلامی، تاریخ وثقافت

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد


**فیکلٹی آف سوشل سائنسز**

**نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد**

**سیشن:22–2021ء**

© (محمد ساجد خان)

بسم الله الرحمن الرحيم

# منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

**(Thesis and DefenceApproval Form)**

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھااور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے،وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **علامہ اقبال کے اردو کلام میں تذکارِ اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین: تجزیاتی مطالعہ**

**An Analyticel Study about the Memoir of the Companions of The Holy Prophet (PBUH) in Urdu Poetry of Allama Iqbal**

**ماسٹر آف فلاسفی علومِ اسلامیہ**

نام مقالہ نگار: محمد ساجد خان

رجسٹریشن نمبر: 10-Mphil/IS/S20

**ڈاکٹر محمد ریاض محمود**

(نگران مقالہ)

دستخط نگران مقالہ

**پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی**

(صدر، شعبہ اسلامی فکر وثقافت)

دستخط صدر شعبہ

**پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان**

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)

دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

**پروفیسر ڈاکٹر عامر اعجاز**

(پرو-ریکٹر اکیڈمکس)

دستخط پرو-ریکٹر اکیڈمکس

تاریخ

# حلف نامہ فارم

## (Candidate Declaration Form)

میں محمد ساجد خان ولد ثناء اللہ خان

رول نمبر:NUML-S20-29700 رجسٹریشن نمبر:10-Mphil/IS/S20

طالب، ایم فل، شعبہ علومِ اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد، حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **علامہ اقبال کے اردو کلام میں تذکارِ اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین: تجزیاتی مطالعہ**

**Allama Iqbal key Urdu Kalam main Tazkar e Ashab e Rasool Rezwanullah eliahim ajmaeen :Tajzeyati Mutala'a**

ایم فل علومِ اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا اور **ڈاکٹر محمد ریاض محمود** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

میں اس بات کو جانتا ہوں کہ ایچ ای سی (HEC) اور نمل (NUML) علمی سرقہ (Plagiarism) کے حوالے سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ اس لیے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالے کا کوئی حصہ بھی سرقہ شدہ نہیں ہے اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو اپنے مقالے میں شامل کیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالے میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جائے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: محمد ساجد خان

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

# (ABSTRACT)


## An Analyticel Study about the Memoir of the Companions of The Holy Prophet (PBUH) in Urdu Poetry of Allama Iqbal

The poetry of Allama Sir. Muhammad Iqbal is of great importance to Muslims all around the world for its representation and interpretation of Islamic literature. Iqbal has done a tremendous job in emphasizing and highlighting the importance of the Quran, the Hadith of the prophet (s.a.w), the character and life of the prophet (s.a.w), the prestige of the Caliphs, the Ahl al-Bayt (family members and people from the house of the prophet), and the preaching of Islamic values

After the divine prophets, the most eminent personalities in the world were the companions of the prophet (s.a.w) (may Allaah be pleased with them) whom Allaah chose for the love of the Messenger of Allah (s.a.w). Through the efforts of the Sahaba, Islam was able to spread across the world far and wide. In his poems, Iqbal highlighted various aspects of the life of the Companions in order to invite the Muslims of his time to make the Companions of the prophet (s.a.w) the standard of their own thoughts and actions. That is why when the poetry of Iqbal is thoroughly studied, it becomes clear that in Allama's poetry, apart from Tawheed, Prophethood, Companions of the Prophet, saints, and Sufis, other subjects are also a part of his poetry but the aim of every subject is to access and get closer to Islam.

My thesis consists of four chapters with each chapter having two subchapters. The first chapter is based on the love of Iqbal for the companions of the prophet (s.a.w). In the second chapter, I have discussed Iqbal's words that relate to the rightly guided Caliphs. The third chapter covers the mention of Ahl-e-Bayt (may Allah be pleased with him) in Iqbal's Urdu Kalam. In the fourth and last chapter, there is a discussion about the companions of the Prophet (Sahaba) according to the style of Iqbal and its authenticity of that time period. Iqbal has discussed in this Urdu poetry regarding companions of the prophet (s.a.w) (may Allah be pleased with them) so that today's Muslims and the younger generation are enlightened with the beacon of their way of life.

# فہرست عنوانات



| صفحہ نمبر | عنوان | نمبر شمار |
|---|---|---|
| IV | مقالہ کی منظوری کا فارم(Thesis Acceptance Form) | 1 |
| V | حلف نامہ(Declaration) | 2 |
| VI | تلخیص مقالہ(Abstract) | 3 |
| VII | فہرست عنوانات(Table of Contents) | 4 |
| IX | اظہار تشکر(A word of thanks) | 5 |
| X | انتساب(Dedication) | 6 |
| 1 | **مقدمہ** | 7 |
| 15 | **باب اول: علامہ اقبال کی اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے عقیدت** | 8 |
| 16 | فصل اول: اسلام میں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ | 9 |
| 31 | فصل دوم: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے علامہ اقبال کی عقیدت | 10 |
| 54 | **باب دوم: اقبال کے اردو کلام میں تذکرہِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم** | 11 |
| 55 | فصل اول: اسلام میں خلفائےِ راشدین رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ | 12 |
| 73 | فصل دوم: اقبال کے اردو کلام میں تذکرہِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم | 14 |
| 95 | **باب سوم: اقبال کے اردو کلام میں تذکرہِ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم** | 15 |
| 96 | فصل اول: اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ | 16 |
| 114 | فصل دوم: اقبال کے اردو کلام میں تذکرہِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم | 17 |
| 128 | **باب چہارم: تذکارِ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم میں اقبال کا اسلوب اور اس کی عصری معنویت** | 18 |
| 129 | فصل اول: تذکارِ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم میں اقبال کا اسلوب | 19 |
| 147 | فصل دوم: تذکارِ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی عصری معنویت | 20 |
| 166 | خلاصہ بحث(Summary) | 21 |

| | | |
|---|---|---|
| 168 | نتائج بحث | 22 |
| 170 | سفارشات وتجاویز | 23 |
| 171 | فہارس | 24 |
| 172 | فہرست آیاتِ قرآنیہ | 25 |
| 174 | فہرست احادیثِ مبارکہ | 26 |
| 176 | فہرست مصادر ومراجع | 27 |

# اظہار تشکر

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام میں تذکارِ اصحابِ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین: تجزیاتی مطالعہ پر تحقیقی مقالہ لکھنا خاصا مشکل امر تھا جو اللہ رب العزت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص فضل و کرم اور خاص توفیق سے پایہ تکمیل کو پہنچا اس پر میں اللہ العالمین کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔

میں ممنون ہوں اپنے والدینِ کرام کا جنھوں نے اپنی مشفقانہ رہنمائی سے مجھے علومِ اسلامیہ کی طرف مائل کیا۔ ان کی دعاؤں اور بے لوث محبتوں سے آج میں اس مقام پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت کاملہ اور عمر خضری عطا فرمائے۔

نگرانِ مقالہ محترم ڈاکٹر محمد ریاض محمود صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی مسلسل توجہ اور ہمہ وقت رہنمائی سے مقالہ لکھنا ممکن ہوا۔ استاذِ محترم نے مفید مشوروں سے نوازا اور جہاں جہاں مقالہ میں اصلاح کی ضرورت تھی بڑے احسن انداز میں ان مقامات کی نشاندہی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمر میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔

شعبہ علومِ اسلامیہ جامعہ نمل کے تمام اساتذہ اور بالخصوص استاذ محترم ڈاکٹر نور حیات خان صاحب (صدر شعبہ علوم اسلامیہ) اور استاذِ محترم ڈاکٹر امجد حیات صاحب کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ جنھوں نے اپنی خاص رہنمائی سے مقالہ کو مزید مفید بنایا۔

تمام اساتذہ کرام اور ان تمام اہلِ علم حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں جن کی بروقت رہنمائی سے مقالہ کو مزید مفید بنانے میں مدد ملی۔

# انتساب

امام الانبیاء والمرسلین، فخر الاولین والآخرین، حضور سرورِ کائنات ﷺ کے نام جن کے طفیل ہمیں ایمان کی دولت نصیب ہوئی

# مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ زَیَّنَ النَّبِیِّیْنَ بِحَبِیْبِهِ الْمُصْطَفٰی وَمَنَّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ بِنَبِیِّهِ الْمُجْتَبیٰ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ ﷺ خَیْرِ الْوَرَیٰ وَعَلیٰ آلِهِ وَاَصْحَابِهِ الْمُتَادَّبِیْنَ بِالتَّقْوَی۔

## موضوع تحقیق کا تعارف:۔(Introduction of the Research Topic)

کلامِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے دینی ادب کی تشریح و توضیح کے میدان میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید، احادیثِ نبویہ، سیرتِ رسول ﷺ ، عظمت و شانِ صحابہ کرام اور اسلامی تہذیب و تمدن کی وسعت و جامعیت کے لیے بھرپور نثری اور شعری کوششیں کی ہیں۔اس پسِ منظر میں مطالعہِ اقبال علمی و فکری اور تہذیبی و تمدنی اہمیت کا حامل ہے۔دنیا کے تمام انسانوں میں سب سے افضل و اشرف انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور نبیوں میں سے مکرم و محترم خاتم النبیین دوجہاں کے سردار جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دنیا کے سب سے اشرف و افضل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ پاک ہستیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی صحبت کے لیے چن لیا، ان مقدس ہستیوں کے ذریعے ہی اسلام دنیا کے مختلف کونوں میں پہنچا۔ مختلف لوگوں نے اِن کے تذکرے مختلف انداز میں کیے ہیں۔علامہ محمد اقبال کا شمار بھی انہی تذکرہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے اشعار میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کے مختلف پہلو مثلاً زورِ حیدری، فقرِ بوذر اور دولتِ عثمانی اجاگر کیے تاکہ اپنے عہد کے مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دی جاسکے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیارِ فکر و عمل بنائیں۔یہی وجہ ہے کہ اگر علامہ کی شاعری کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علامہ کی شاعری میں توحید، رسالت، اصحابِ رسول، اولیاء و صوفیاء کے علاوہ دیگر موضوعات بھی ان کی شاعری کا حصہ ہیں۔ ہر موضوع سے مقصود اسلام تک رسائی ہے ۔چونکہ علامہ، اسلام ہی کو انسانیت کے لیے راہِ نجات سمجھتے ہیں اور اس سے روگردانی کو ہلاکت اور گمراہی سمجھتے ہیں۔اس لیے کلامِ اقبال میں صحابہ کرام کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔چونکہ اقبال کے نزدیک فریضہ دعوت ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے ،اس لیے اقبال ہر مسلمان کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ ہمارے اسلاف نے اس فریضہ کو کس طرح انجام دیا۔اقبال نے ان شخصیات کو اپنے کلام میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے جنھوں نے دعوتِ دین کے لیے اپنا سب کچھ قربان کیا ہے۔اقبال خود بڑے داعی اسلام ہیں، لہٰذا دعوت کے حوالے سے بھی وہ آں حضور ﷺ اور اصحابِ رسول کی شخصیات کو سامنے لاتے ہیں اور معیار و کردار کے حوالے سے بھی قرآن و سنت کی آبیاری کے لیے بے چینی و تڑپ ان کے کلام میں جابجا

ملتی ہے اور خاص طور پر شکوہ اور جوابِ شکوہ میں امت مسلمہ کو اصحابِ رسول کے کارنامے یاد کراتے ہیں۔زیرِ نظر مقالہ بعنوان "علامہ اقبال کے اردو کلام میں تذکارِ اصحابِ رسول رضوان اللہ علیھم اجمعین: تجزیاتی مطالعہ" اسی فکر کی وضاحت و اشاعت کے لیے لکھا گیا ہے۔

## موضوعِ تحقیق کی اہمیت:۔(Importance of the Research Topic)

عالمِ اسلام کے پسِ منظر میں عمومی طور پر اور برصغیر پاک وہند کے حوالے سے خصوصی طور پر علامہ اقبال کے فہمِ اسلام کا مطالعہ و تجزیہ مسلمانوں کی ایک اہم علمی و نظریاتی اور کلامی و تہذیبی ضرورت ہے۔علامہ محمد اقبال دینِ محمدی کی پیروی ہی کو نجات اور کامیابی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بے پناہ عقیدت اور محبت رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام میں کئی جگھوں پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکار موجود ہیں۔وہ آج کے مسلمان کو ان عظیم ہستیوں کے اوصاف اپنانے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اُن کے نزدیک حکومت الٰہیہ کے قیام اور خلافت کی بناء دوبارہ بنانے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے قلب و جگر کا ہونا ضروری ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ کلامِ اقبال میں موجود تذکارِ اصحابِ رسول کو اجاگر کیا جائے۔اسی مقصد کے حصول کے لیے زیرِ نظر مقالہ تحریر کیا گیا ہے۔

## وجہ انتخاب:۔( Background of the Research Topic)

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا تذکرہ کیا ہے صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) کی شخصیت خدمات اور دینِ اسلام کے لیے ان کے کارہائے نمایاں کو اشعار کی صورت میں پیش کیا۔عصرِ حاضر میں ان اشعار سے دینِ اسلام کی تبلیغ میں معاونت حاصل کی جاسکتی ہے،اس وجہ سے زیرِ نظر موضوع تحقیق کا انتخاب کیا گیا۔

## سابقہ کام کا جائزہ:۔(Literature Review)

زیر نظر موضوع کا براہِ راست تعلق مسلمانوں کے دینی ادب اور اُن کی تہذیب و تاریخ کے نہایت اہم گوشے سے ہے۔اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر جو کتب اور مقالہ جات لکھے گئے ہیں اُن میں سے چند کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

**مقالہ جات:**

.مقالہ جات میں "اقبال کا تصورِ رسالت" محقق: مسز فرزانہ ہما، مقالہ، ایم فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2003ء قابل ذکر ہیں۔

**کتب:**

1۔ "اقبال اور عشق رسول ﷺ"[1]

پروفیسر عبدالرشید[2] کی تصنیف ہے۔ عاشقانِ رسول ﷺ نے طرح طرح سے اپنے عشق کا اظہار کیا ہے اور حضور ﷺ کی خدمت میں اچھے سے اچھے اسلوب اور اعلیٰ الفاظ کے ذریعے عقیدت و محبت کا اظہار پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جس میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے رسول ﷺ کی عظمت پر جتنی بھی تحریریں لکھی ہیں ان سب کو واضح طور پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے اس کتاب میں مصنف نے اردو اور فارسی دونوں اشعار ذکر کیے ہیں اور مصنف نے ابواب بندی قائم نہیں کی بلکہ سرخیاں دے کر اشعار لکھتے گئے ہیں اور تمام اشعار کی تشریح کی ہے اس لیے یہ کتاب علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور عشقِ رسول ﷺ کو سمجھنے میں نہایت معاون ثابت ہو گئی۔

2۔ "اقبال اور مدحتِ آلِ عبا اطہار علیہ السلام"[3]

پروفیسر سید مطلوب علی زیدی[4] کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور مدحتِ آلِ عبا اطہار علیہم السلام میں سید علی نے قرآن و سنت اور کتبِ سیر اور دیگر دینی کتب کے حوالوں سے رسول ﷺ اور اہلِ بیت علیہ السلام کی تاریخ کے ساتھ ساتھ ان کے خصوصی فضائل کا ذکر کیا ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب میں فارسی اشعار ذکر کیے ہیں اور اس کے بعد ان کا ترجمہ کیا ہے پھر ترجمہ کے بعد ان کی تشریح کی ہے۔ اسی طرح اردو کلام کو ذکر کیا ہے جو فارسی کلام کے بعد علیحدہ سرخیاں دے کر لکھا ہے۔ اس کتاب میں سید مطلوب علی زیدی نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی اور اردو اشعار جو حضور اکرم ﷺ کی شان میں اور اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کی شان میں لکھے گئے تھے ان کو ذکر کیا ہے۔ اس لیے مطلوب صاحب کی اس کاوش کو ایک مفید خدمت قرار دیا جا سکتا ہے۔

**آرٹیکلز:**

- A Study of Iqbal ,s Concept of JiHad "Dr. Tayyaba Nighat Al.Qamar,volume4 Issue3,2021

---

[1] اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، گلی کوتانہ سوئیوالان، دہلی، 1983م

[2] سید محمد عبدالرشید فاضل 1909ء میں راجستھان ہند میں پیدا ہوئے۔ بعد ازیں کراچی میں سکونت اختیار کی۔ وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی میں فارسی پڑھاتے رہے۔ ان کے اردو و فارسی کلیات بنام "نقوش جاودانی" 1973ء میں کراچی سے شائع ہوئے۔

[3] یو ایم ٹی پریس یونیورسٹی آف منیجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی c11 جوہر ٹاؤن لاہور

[4] پروفیسر مطلوب علی زیدی، مطلوب، ریسرچ سکالر برائے پی ایچ ڈی، انگریزی یونیورسٹی آف پلائی ماؤتھ، ایکس متھ، انگلینڈ

علامہ صاحب کی شاعری پر بہت ساری کتب لکھی گئی ہیں لیکن براہِ راست اس موضوع پر کوئی کتاب یا مقالہ دستیاب نہیں۔ اپنی علمی، ادبی، تہذیبی اور تاریخی اہمیت کے اعتبار سے یہ موضوع نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اسی علمی و فکری اور نظریاتی و عملی ضرورت کی تکمیل کے پیشِ نظر موضوع ہذا کا انتخاب کیا گیا ہے۔

## تحقیق میں موجود خلا:۔(Research Gap)

صحابہ کرام اوراہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں اسی محبت کا درس دیا ہے۔ زیرِ نظر موضوع تحقیق سے متعلق سابقہ کام کا حتیٰ الامکان جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ سابقہ محققین نے صحابہ کرام اوراہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے مَناقب اور فضائل کے باب میں علامہ اقبال کے اشعار کی مختصر اُنشاندہی کی ہے۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دینِ اسلام کیلیے خدمات، کارہائے نمایاں جو علامہ اقبال نے اشعار کی صورت میں بیان کیا ہے اوران کی عصری معنویت اور جو اثرات ظہور پذیر ہو رہے ہیں اس پر روشنی نھیں ڈالی جا سکی۔ اس تحقیقی خلا کو پر کرنے کیلیے زیرِ نظر موضوع تحقیق کا انتخاب کیا گیا ہے۔

## تحدید موضوع:۔(Limatation)

زیرِ نظر موضوع میں علامہ اقبال کے اردو اشعار جن میں صحابہ کرام (رضی اللہ عنھم) کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کی تحقیق کی جائے گی اور ان کی عصری معنویت و افادیت کا جائزہ لیا جائے گا۔

## موضوعِ تحقیق کا بنیادی مسئلہ:۔(Basic Problem of the Research Topic)

مقالہ ہذا میں علامہ اقبال کے اردو کلام میں، تذکارِ اصحابِ رسول کی تحقیق کی جائے گی۔

## مقاصد تحقیق:۔(Objectives of the Research)

1۔ اصحاب رسول سے علامہ اقبال کی عقیدت کا جائزہ لینا

2۔ اقبال کے اردو کلام میں خلفائے راشدین کے تذکار کا تجزیہ کرنا

3۔ اہلِ بیت اطہار کے تذکروں کے صحن میں اقبال کے اسلوب کو دریافت کرنا

4۔ اقبال کے تذکرہ اصحاب رسول کی عصری معنویت کو تلاش کرنا

## تحقیقی سوالات:۔(Research Questions)

1۔ علامہ اقبال کی اصحاب رسول سے عقیدت کی فکر اساس کیا ہے؟

2۔ اقبال کے کلام میں خلفائے راشدین کے تذکار کس مذہبی و تہذیبی پس منظر کے حامل ہیں ؟

3۔ اقبال نے اہلِ بیت اطہار کے تذکروں کے لیے کون سا اسلوب اختیار کیا؟

4۔ اقبال کے تذکارِ اصحاب رسول میں عصری معنویت کو تلاش کرنا کیوں ضروری ہے ؟

## اسلوبِ تحقیق:۔(Research Methodology)

- مقالہ ہذا میں تجزیاتی اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔
- دوران تحقیق اصل مصادر استعمال میں لائے گئے ہیں، بنیادی مصادر میں ( صحیح بخاری ) کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ ( صحیح مسلم ) باب فضائل اہلِ بیت نبی ﷺ، بالِ جبریل، بانگِ درا، ارمغان حجاز، ضربِ کلیم سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- بعض مقامات پر ثانوی مصادر سے بھی اِستفادہ کیا گیا ہے۔ ثانوی مصادر (شرح بانگ درا) از یوسف سلیم چشتی، (شرح کلیات اقبال) از یوسف مثالی۔
- کتب، کالمز اور مقالہ جات کے حصول کیلیے انٹرنیٹ، اسلامیات کے سافٹ ویئرز اور لائبریریوں کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔
- مقالہ کی عبارت آسان، عام فہم اور رموزِ اوقاف کے عین مطابق رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- مقالہ کی تحریر اور حوالہ جات کے لیے نمل یونیورسٹی کا فارمیٹ اختیار کیا گیا ہے۔

# ابواب بندی

زیرِ بحث مقالہ چار ابواب اور آٹھ فصلوں پر مشتمل ہے، بابِ اوّل علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اصحاب رسول رضی اللہ عنہم سے عقیدت کے بیان میں ہے جبکہ اس کی پہلی فصل اسلام میں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ کے بیان میں ہے اور دوسری فصل میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے علامہ کی عقیدت کو بیان کیا گیا ہے۔

بابِ دوم اقبال کے اردو کلام میں تذکرہِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بیان میں ہے جب کہ اس باب کی پہلی فصل میں اسلام میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ بیان کیا گیا ہے جب کہ اس کی دوسری فصل میں اقبال کے اردو کلام میں تذکرہِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو ذکر کیا گیا ہے۔

بابِ سوم میں اقبال کے اردو کلام میں تذکرہِ اہلِ بیت بیان کیا گیا ہے، جب کہ اس کی پہلی فصل میں اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ ذکر کیا ہے جب کہ اس کی دوسری فصل میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام میں تذکرہِ اہلِ بیت اطہار کو ذکر کیا گیا ہے۔

اسی طرح آخری باب میں تذکارِ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب اور اس کی عصری معنویت کو ذکر کیا گیا ہے جب کہ اس کی پہلی فصل میں تذکارِ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب کے بیان میں ہے اور دوسری فصل تذکارِ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی عصری معنویت کے بیان میں لکھی گئی ہے۔

# بابِ اوّل:

# علامہ اقبال کی اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے عقیدت

## فصلِ اوّل:

## اسلام میں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

## فصلِ دوم:

## رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے علامہ اقبال کی عقیدت

# فصلِ اوّل: اسلام میں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

# اسلام میں اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو تمام عالم اِنس وجن کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے تعلیم وتربیت کا فریضہ پوری طرح انجام دیا۔ اللہ کی کتاب کے الفاظ کی تعلیم دی۔ اس کے معانی اور احکام بتائے اور عملی طور پر بھی خود کرکے دکھایا۔ آپ ﷺ کی دعوت اور تعلیم وتبلیغ کا کام انجام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو منتخب فرمایا۔ ان حضرات نے بہت ہی تکلیفیں اٹھائیں اور اسلام کے عقائد اور اصول وفروع کے پھیلانے اور پہنچانے میں جانوں کی بازی لگادی، جو دین انھیں ملاتھا، اسے محفوظ رکھا اور آگے بڑھایا اور عالم میں پھیلایا۔ ساری اُمت پر اِن حضرات کا احسان ہے کہ اُمت تک پورا دین پہنچادیا۔ یہ حضرات نبی اکرم ﷺ کے صحیح نائب بنے۔ عِلم بھی سکھایا اور عمل کرکے بھی دکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اِخلاص کی قدردانی فرمائی، ان کی محنتوں کو قبول فرمایا۔ قرآن مجید میں ان کی تعریف فرمائی اور ان سے راضی ہوجانے کی خوشخبری دی اور ان کے بلند درجات سے آگاہ فرمایا۔

صحابہ کرام کی ذوات ایسی برگزیدہ ہستیاں ہیں کہ جنھیں اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی رفاقت ومعیت کے لیے چن لیا ہے۔ یہی وہ چنی ہوئی ہستیاں ہیں جنھوں نے سفر وحضر میں رسول اللہ ﷺ کی مبارک ذات کے قرب میں رہ کر اعلیٰ اخلاق کا مشاہدہ کرکے نہ صرف اپنی ذات پر لاگو کیا بلکہ آنے والی امت کے لیے بھی رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کا عملی نمونہ پیش کرکے کامیابی وکامرانی کی راہیں ہموار کیں۔ ذیل میں "صحابی" کا لغوی معنی ذکر کیا جاتا ہے:

امام خلیل[1] رحمۃ اللہ علیہ صحابی کی تعریف میں یوں رقم طراز ہیں:

"الصَّاحِبُ:یُجْمَعُ بِالصّحْبِ،وَالصُّحْبَانُ والصُحْبةُوالصِحابُ۔والْاصْحَابُ: جماعةُالصُحُبِ۔والصِحَّابةُ مصدرُقولِکَ صاحَبَکَ اللّهُ وَاَحْسَنَ صِحابتَکَ۔ و یُقَالُ عِنْدَالْوَدَاع:مُصاحَباَ مُعافیَ۔وَیُقَالُ:صَحَبَکَ اللّهُ،ایْ:حَفِظَکَ وَلاَ یُقَالُ: مَصْحوبٌ۔وَالصّاحُبُ یَکُوْنُ فِیْ حالِ نعتاً،وَلَکنّه عمَّ فِی الْکَلاَمِ فَجْرِیْ مَجْرَی الِاسْمِ،کَقَوْلِکَ:صَاحِبُ مَالٍ،ایْ: ذُوْ مَالٍ۔"[2]

ترجمہ: الصاحب: صحب، صحبان، صحبۃ اور صحاب اس کی جمع لائی جاتی ہے۔ اصحاب: "صحب" کی جمع ہے، اور "صحابۃ" تیرے قول "صاحبک اللہ واحسن صحابتک" کا مصدر ہے۔ الوداع کرتے وقت (اہل عرب کے ہاں) کہاجاتا ہے "مصاحبا

---

[1] ابوعبدالرحمٰن خلیل ابن احمد الفراھیدی البصری پیدائش 718 ء- وفات نومبر 790 ء علمِ عروض کے بانی اور ماہرِ لغت وموسیقی تھے آپ عمان میں پیدا ہوئے اور عجمی النسل تھے۔

[2] الفراہیدی، خلیل بن احمد، **کتاب العین**، (مکتبہ دارالھجرۃ، ایران، طبع دوم، 1409ھ)، 3/124

معانی"۔اور کہا جاتا ہے"صحبک اللہ " یعنی اللہ تعالی تیری حفاظت فرمائے ۔" مصحوب" نھیں کہا جائے گا ۔اور "الصاحب" حال کے مقام پر صفت واقع ہو تا ہے،اور لیکن یہ کلام میں عام ہے پس اسم کی جگہ جاری ہو گا،مثل تیرے قول"صاحب مال"یعنی مال والا۔

**علامہ ابن منظور[1] رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:**

"صَحْبٌ:صَحِبَه يَصْحَبُه صُحْبَةً ،بالضم،وصَحابة،بالفتح،والصَّحْبُ:جَمْعُ الصَاحِبِ، والاَصْحَابُ: جَمَاعةالصَّحْبِ ،وَاَمَّا الصُّحْبَةُ والصَّحْبُ فَاِسْمَانِ لِلْجَمْعِ ،وَقَالَ الْاَخْفَشُ: الصَّحْبُ جَمْعٌ،وَيُقَالُ صَاحِبٌ وَ اَصْحَابٌ كَمَا يُقَالُ شَاهِدٌ وَاَشْهَادٌ وَنَاصِرٌ وَاَنْصَارٌ۔2

ترجمہ۔ صحب یہ صَحِبَ ،یَصۡحَبُ ،صُحۡبَۃاور صحابۃ سے ہے اور اس کی جمع الصحب آتی ہے اور اصحاب یہ صحابی کی جماعت یا گروہ پر بولا جاتا ہے اور بہر حال صحبۃاور صحب پس یہ دونوں اسم جمع کے لیے استعمال ہوتے ہیں،اور اخفش کہتا ہے کہ الصَحۡبُ جمع ہے اور کہا جاتا ہے صاحب اور اصحاب جیسا کہ کہا جاتا ہے شاہد اور اشہاد اور ناصر اور انصار۔

**مذکورہ بالا دونوں اقتباس سے معلوم ہوا کہ لفظ صاحب مفرد ہے اور اس کی مختلف جمع آتی ہیں جیسا کہ صَحۡبٌ،صَحۡبَانٌ،صَحَابٌ اور صَحۡبَۃوغیرہ۔ اس کا معنی جماعت اور ساتھ ہونے کے آتا ہے۔اور یہ صَحِبَ یَصۡحَبُ(سمع یسمع)کے وزن پر آتا ہے۔اسی طرح اس کی جمع اصحاب جماعت اور گروہ کے لیے آتی ہے۔لفظِ صحب اور صحبۃ یہ دونوں اسم جمع کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔لفظ صاحب اور اصحاب وزن کے اعتبار سے شاہد اور اشہاد،ناصر اور انصار کے ہم وزن ہیں۔**

**علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:**

"صَحِبَهُ كَسَمِعَهُ ،يَصْحَبُهُ صَحابَةً بِالْفَتْحِ وَيُكْسَرُ وَصُحْبَةً بِالضَّمِّ كَصَاحَبَهُ "3

ترجمہ:یہ صَحِبَ کے وزن پر آتا ہے جیسے سَمِعَ صَحِبَ یَصۡحبُ،فتح کے ساتھ اور صاد کے کسرہ کے ساتھ بھی آتا ہے۔

**علامہ زبیدی نے لفظ صحابہ کی اعرابی وضاحت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ لفظ صاد کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاسکتا ہے یعنی صِحابۃاور صَحابۃدونوں طرح استعمال کر سکتے ہیں۔یہ لفظ ص کے ضمہ کے ساتھ یعنی صُحبۃ بھی درست ہے۔**

**احمد بن فارس رحمۃ اللہ علیہ ذکر فرماتے ہیں:**

"صَحِبَ، الصادُوالحاءُوالباءُاَصلٌ وَاحِدٌيَدُلٌّ عَلٰی مقارَنةِشيٍ و مُقَارِبَتِهِ۔مِنْ ذَلِکَ

---

[1] ابن منظور محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن منظور الانصاری الافریقی المصری الخزرجی جمال الدین ابوفضل،عرف ابن منظور ہیں۔

[2] ابن منظور،محمد بن مکرم بن علی،**لسان العرب**،(دار صادر،بیروت،طبع اول،1300ھ)،1/519

[3] زبیدی،محمد مرتضیٰ،**تاج العروس من جواہر القاموس**،(التراث العربی،کویت،طبع دوم،1965م)،3/185

الصَّاحِبِ والجَمْعُ الصَّحْبُ۔"[1]

ترجمہ: صحب، صاد اور حاء اور باء کا مجموعہ ہے اور تینوں حروف اصلی ہیں۔ یہ واحد ہے جو قربت کے معنی پر دلالت کرتا ہے ، یہ صاحب سے ہے اور جمع اس کی الصحب آتی ہے۔

علامہ احمد بن فارس کی کلام کا مفہوم یہ ہے کہ لفظ صحب، صاد، حاء اور باء کے مادہ پر مشتمل ہے اور یہ ایک شے کو دوسری کے ساتھ ملانے کے لیے اور قربت کے لیے آتا ہے اور اسی مادہ سے صاحب آتا ہے۔

لویس معلوف کہتے ہیں:

"صَحِبَ (س) صُحْبَۃً، صَحَابَۃً، وصَاحَبَہٗ، مُصَاحَبَۃً، ساتھی ہونا، دوستی کرنا، ایک ساتھ زندگی بسر کرنا، کھال اتارنا، اَصْحَبَ الرَّجُلُ، ساتھی والا ہونا، بیٹے کا بالغ ہو کر اپنی ہی طرح کا ہونا، دشواری کے بعد تابعدار ہونا، محفوظ رکھنا، روک دینا، تصحب، شرم کرنا، کہا جاتا ہے فلاں نہ تو پرہیز کرتا ہے اور نہ ہی شرم کرتا ہے، اصطحب فلانا، حفاظت کرنا، کسی چیز کو ساتھ کر دینا، الصاحب، ایک ساتھ زندگی بسر کرنا، مالک، وزیر، گورنر، الصاحبۃ، بیوی، الصحابۃ، وہ حضرات رضی اللہ عنہم جو ایمان کی حالت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور ایمان ہی پر وصال فرمایا۔"[2]

صاحب منجد نے صاد، حاء اور باء کے مختلف مادوں کے تقریباً پچیس معانی ذکر کئے ہیں جن میں صحابی اور الصحابۃ کا معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان کی حالت میں دیدار کرنے والے اور ایمان کی حالت میں وصال فرمانے والا کیا ہے۔

مذکورہ بالا تعریفات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا مادہ صاد، حاء اور باء ہیں۔ یہ صاحب اور ساتھی کے معنی میں آتا ہے۔ اسی طرح یہ لفظ ایک چیز کو دوسری شے کے ساتھ ملانے اور قربت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اس کی جمع صَحْبٌ، صُحْبَانٌ، صِحَابٌ اور صَحَابَۃٌ وغیرہ آتی ہیں۔ یہ لفظ جماعت اور گروہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

اب ذیل میں لفظِ صحابی کی اصطلاحی تعریف کا جائزہ لیتے ہیں۔ لفظِ صحابی کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر سعدی ابو حبیب یوں رقم طراز ہیں:

"الصحابي في العرف: من رأى النبي صلى الله عليه وسلم، وطالت صُحْبَتَهٗ."[3]

ترجمہ: عرف میں صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو اور لمبی صحبت پائی ہو۔

---

[1] ابو الحسین، احمد بن فارس بن ذکریا، **معجم مقاييس اللغة**، (دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع دوم، 1979م)، 3/335

[2] لویس معلوف، **المنجد**، ترجمہ از عبد الحفیظ، مولانا، ابو الفضل، (مکتبہ خزینہ علم وادب، لاہور، اشاعت 2009م)، ص 461

[3] سعدی ابو حبیب، ڈاکٹر، **القاموس الفقهي**، (الناشر، دار الفکر، دمشق، سوریا، طبع دوم 1977م)، ص: 208

مذکورہ بالا عبارت میں طالت صحبہ کی قید احترازی نھیں ہے یعنی اگر کسی خوش نصیب شخص نے نبی اکرم ﷺ کی حالتِ ایمان میں زیارت کی اور پھر صرف چند ساعتیں زندہ رہا تب بھی اس پر صحابی کی تعریف صادق آئے گی، یہ ضروری نھیں کہ حالتِ ایمان کے بعد طویل صحبت رسول میسر آئے اس لیے کہ صحابیت کے متحقق ہونے کے لیے ایک لمحہ بھی رسول اللہ ﷺ کی ایمان کی حالت میں زیارت کرنا کافی ہے۔

علامہ جرجانیؒ لکھتے ہیں:

"الصَحَابِیُّ:ھُوَ فِیْ الْعُرْفِ:مَنْ رَّاٰی النَّبِیَّﷺ وَ طَالَتْ صُحْبَتُہٗ مَعَہٗ،وَ اِنْ لَّمْ یَرْوِ عَنْہُ ،ﷺ ۔وَ قِیْلَ :وَ اِنْ لَّمْ تَطُلْ۔"[1]

ترجمہ: عرف میں صحابی ہر اس شخص کو کہتے ہیں، جس نے رسول اکرم ﷺ کی زیارت کی ہو اور آپ کی طویل صحبت بھی میسر آئی ہو، اگرچہ اس نے آپ سے کوئی حدیث روایت نہ کی ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ اگرچہ لمبی صحبت میسر نہ آئی ہو۔

علامہ جرجانیؒ کی اس تعریف سے بھی یہ بات مزید واضح ہوگئی کہ صحابی ہر ایسا شخص ہوتا ہے جس نے حالت ایمان میں رسول میں اکرم ﷺ کی زیارت کی ہو، قطع نظر اس سے کہ صحبت کا دورانیہ زیادہ ہو یا کم۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی نے صحابی کا تذکرہ فرمایا ہے، جس سے صحابیت کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْھُمَا فِیْ الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا﴾[2]

ترجمہ: اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا پڑا، صرف دو جانوں سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے ساتھی سے فرماتے تھے کہ غم نہ کھاؤ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے لصاحبہ فرما کر صحابیت کا بیان اور ثبوت فرما دیا۔ مفسرین کرام نے بھی اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر فرمائی ہے، ذیل میں اسی آیت کے تحت چند تفاسیر کا ذکر کیا جاتا ہے:

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] جرجانی، علی بن محمد، **الکتاب التعریفات**، (مکتبہ دار الدیان للتراث، قاہرہ، طبع چہارم، 1999م)، ص: 173

[2] سورۃ التوبۃ: 9/40

"يَقُوْلُ:اِذْيَقُوْلُ رَسُوْلُ اللهِ لِصَاحِبِهِ اَبِيْ بَكْرٍ﴿لَا تَحْزَنْ﴾1،وَ ذٰلِکَ اَنَّهٗ خَافَ مِنَ الطَّلَبِ اَنْ يَّعْلَمُوْا بِمَكَانِهِمَا ،فَجَزِعَ مِنْ ذٰلِکَ ،فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ﴿لَا تَحْزَنْ﴾2 لأَنَّ اللهَ مَعَنَا وَاللهُ نَاصِرُنَا ، فَلَنْ يَّعْلَمَ الْمُشْرِكُوْنَ بِنَا، وَلَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْنَا۔" 3

ترجمہ:(امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ:جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا آپ نہ ڈریں اور یہ اس لیے کہ وہ (ابو بکر رضی اللہ عنہ) خوفزدہ تھے کہ کافران دونوں کی جگہ کو جان نہ لیں، پس وہ (ابو بکر رضی اللہ عنہ) رونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آپ نہ ڈریں بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے اور ہمارا مددگار ہے، پس ہرگز مشرکین ہماری جگہ نہیں جان سکیں گے اور نہ ہی ہم تک پہنچ سکیں گے۔

**اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی صحبت اختیار کی اور غار میں رسول اکرم ﷺ کی معیت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لیے لصاحبہ کا لفظ ارشاد فرمایا۔**

**امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:**

"وَ اَخْرَجَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ ،وَ كَانَ مِنْ اَهْلِ الصُّفَّةِ،قَالَ اَخَذَ عُمَرُ بِيَدِ اَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ :مَنْ لَّهٗ هَذِهِ الثَّلَاثُ: ﴿ اِذْ يَقُوْلُ لِصٰحِبِهٖ ﴾4 مَنْ صَاحِبُهٗ ؟﴿اِذْ هُمَا فِيْ الْغَارِ﴾5مَنْ هُمَا؟﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللهَ مَعَنَا ﴾6 وَ اَخْرَجَ اِبْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ عَنْ عَمْرِوبْنِ الحَارِثِ، عَنْ اَبِيْهِ ،اَنَّ اَبَا بَكْرٍالصِدِّيْقَ قَالَ اَيُّكُمْ يَقْرَاُ سُوْرَةَالتَّوْبَةِ؟قَالَ رَجُلٌ:اَنَا!قَالَ: اِقْرَأْ فَلَمَّا بَلَغَ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصٰحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ﴾7 بَكٰى وَ قَالَ :اَنَا وَاللهِ صَاحِبُهٗ۔ وَاَخْرَجَ اَبُوْ شَيْخٍ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ:كَانَ صَاحِبُهٗ اَبَا بَكْرٍ،وَالْغَارُ جَبَلٌ بِمَكَّةَ يُقَالُ لَهٗ: ثَوْرٌ۔"8

ترجمہ:اور ابن ابی حاتم نے روایت کی سالم بن عبید سے اور وہ اہل صفۃ میں سے تھے،روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ مبارک تھاما اور عرض کیا ان تین باتوں کا مصداق کون ہے؟(جب وہ اپنے ساتھی کو کہہ رہے تھے) اور کون ساتھی تھا ان (رسول اللہ ﷺ) کا، کون تھے وہ دونوں؟ اور روایت کیا ابن ابی

---

[1] سورۃ التوبۃ:9/40

[2] ایضًا

[3] طبری، محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل آی القرآن**،(مکتبہ ھجر، قاہرہ، طبع اول، 2001م)،11/463

[4] سورۃ التوبۃ:9/40

[5] ایضًا

[6] ایضًا

[7] ایضًا

[8] امام جلال الدین سیوطی، **الدر المنثور فی التفسیر بالماثور**،(مکتبہ ھجر، قاہرہ، طبع اول، 2003م)،7/376

حاتم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اور ابن حارث سے اور انھوں نے اپنے والد سے کہ بے شک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے کون سورۃ توبۃ کی تلاوت کرے گا؟ تو ایک شخص نے عرض کی کہ میں تلاوت کرتا ہوں ،فرمایا پڑھ پس جب وہ اس مقام پر پہنچا کہ "جب کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی سے "تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا اللہ کی قسم میں ان کا ساتھی تھا اور روایت کیا ابو شیخ نے حضرت قتادۃؓ سے وہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی تھے اور غار وہ مکہ شریف کے جبل ثور پہاڑ میں واقع ہے۔

**امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:**

"﴿إِذْيَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ ﴾[1] اَبِیْ بَكْرٍرَضِیَ اللهُ عَنْهٗ﴿لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللهَ مَعَنَا﴾[2] لِلعَوْنِ وَالنُّصْرَةِ،وَ لَمْ يَكُنْ حُزْنُ اَبِیْ بَكْرٍرَضِیَ اللهُ عَنْهٗ جُبْنًا مِنْهُ وَلَا سُوْءَ ظَنٍّ وَ اِنَّمَا كَانَ اِشْفَاقًا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ،يَدُلُّ عَلَيْهِ اَنَّهٗ قَالَ: يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنْ قُتِلْتُ فَاَنَا رَجُلٌ وَاحِدٌ،وَ اِنْ قُتِلْتَ هَلَكَتِ الْاُمَّةُ[3]

ترجمہ: اور جب کہا انھوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے ساتھی ابو بکر رضی اللہ عنہ سے، گھبراؤ نہیں بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے مدد اور نصرت کے لیے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غم بزدلی کی وجہ سے نہیں تھا اور نہ ہی بدگمانی کی وجہ سے تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم اور محبت کی وجہ سے تھا، آپ رضی اللہ عنہ کا قول اس بات پر دال ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اگر میں شہید کیا گیا تو میں تو صرف ایک شخص ہوں لیکن اگر آپ شہید کر دیئے گئے تو امت ہلاک ہو جائے گی۔

**مذکورہ بالا عبارات سے جہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت ثابت ہو رہی ہے وہیں سے ضمناً صحابی کا بھی ثبوت ہو رہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ ان کا صحابی اور ساتھی تھا تب ہی تو لصاحبہ کہا گیا، اور اس آیت کریمہ سے صحب کے مادہ پر مشتمل کلمہ کا معنی ساتھی کیا گیا ہے۔**

**محدثینِ کرام کے نزدیک صحابی رضی اللہ عنہ کی تعریف:**

**محدثینِ کرام نے بھی صحابی کی تعریف میں مختلف پیرائے اختیار کیے ہیں۔**

**حافظ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، صحابی رضی اللہ عنہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:**

"فَهُوَعِنْدَنَافَمَنْ صَحِبَ النَّبِیَّ ﷺ وَلَوْسَاعَةً فِی النَّهَارِ۔"[4]

---

[1] سورۃ التوبۃ:9/40

[2] ایضاً

[3] ثعلبی، احمد بن محمد بن ابراھیم، **الکشف والبیان فی تفسیر القرآن**، (مکتبہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، 2004م)، 3/204

[4] بغدادی، ابو بکر، احمد بن علی شافعی، **الکفایہ فی علم الروایہ**، ص:50

ترجمہ: ہمارے نزدیک صحابی رضی اللہ عنہ ہر ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہو چاہے وہ دن کا ایک لمحہ ہی کیوں نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی اس خوش نصیب شخص کو کہا جاتا ہے جس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہو اور اس کے لیے وقت کی کوئی میعاد مقرر نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ ﷺ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَهُوَ مِنَ الصَّحَابَةِ۔"[1]

ترجمہ: وہ شخص جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"كُلُّ مَنْ صَحِبَهُ سَنَةًاَوْشَهْرًا اَوْ يَوْماً اَوْسَاعةً اَوْرَاهُ فَهُوَ مِنْ اَصْحَابِهِ۔"[2]

ترجمہ: ہر وہ شخص جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سال دیکھا ہو یا ایک مہینہ دیکھا ہو یا ایک دن دیکھا ہو یا ایک گھڑی دیکھا ہو یا صرف دیکھ لیا ہو (ایمان کی حالت میں) پس وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہے۔

ان تعریفات میں جامع ترین تعریف امام احمد بنِ حنبل کی ہے جس کے مطابق صحابی اس خوش نصیب شخص کو کہا جاتا ہے جس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات کا شرف نصیب کیا ہو۔ شرفِ صحابیت حاصل کرنے کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں۔ خواہ وہ صحبت ایک سال ہو، یا ایک مہینہ ہو، یا ایک دن ہو، یا ایک گھڑی ہو، یا صرف دیکھ لیا ہو۔ اسے شرفِ صحابیت حاصل ہو جائے گا۔ یہی تعریف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے۔[3]

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحابی کی تعریف میں یہ بھی قید لگائی ہے کہ جس شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور شرفِ صحابیت حاصل کیا اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کا خاتمہ بھی حالت ایمان میں ہوا ہو۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ ﷺ مُؤْمِناً بِهِ وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ۔"[4]

ترجمہ: وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی وفات پائی ہو۔

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ**، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (مکتبہ دار التاصیل ،بیروت، لبنان، طبع اول، 2012م)، 515/1

[2] ابن عبد البر، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد قرطبی، **مناقب الامام احمد بن حنبل**، (مطبعۃ السعدۃ مجوار محافظۃ مصر، س۔ن)، ص 161

[3] ابن تیمیہ، حیاتہ وعمرہ، **آراؤہ وفقھہ**، (دار الفکر عربی، س۔ن)، 298/20

[4] بنانی، عبد الرحمن بن جاد اللہ مالکی، **المعتمد فی اصول الفقہ**، (دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان، 1403ھ)، 172/2

**ان تمام تعریفات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صالح صبحی لکھتے ہیں:**

"حافظ ابنِ کثیر نے صحابی ہونے کے لیے حالتِ اِسلام میں حضور اکرم ﷺ کا دیدار ضروری قرار دیا ہے اور صحابی کے لیے طویل صحبتِ نبوی کی شرط نہیں لگائی بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ جمہور سلف اور خلف علما کا یہی قول ہے۔"[1]

**محدثینِ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ صحابی رضی اللہ عنہ ہر ایسے شخص کو کہتے ہیں کہ جس نے حالتِ ایمان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سال یا ایک مہینہ یا ایک دن یا ایک لمحہ گذارا ہو اور حالت ایمان میں ہی وصال فرمایا ہو۔**

**اصولیین کے ہاں صحابی رضی اللہ عنہ کی تعریف:**

**صحابی کی تعریف میں چند مشہور اصولیین کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔**

**ابو الحسن بصری رحمۃ اللہ علیہ صحابی رضی اللہ عنہ کے لیے دو باتوں کو ضروری قرار دیتے ہیں:**

"اَحَدُهُمَا اَنْ يُّطِيْلَ مُجَالَسَةَالنَّبِیِّ ﷺوَالاٰخَرُاَنْ يُّطِيْلَ الْمَكْثَ مَعَهٗ عَلٰى طَرِيْقِ التَّبْعِ لَهٗ وَالْاَخْذِ عَنْهُ وَالِاتِّبَاعِ لَهٗ۔"[2]

ترجمہ: ایک یہ کہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ زیادہ عرصہ بیٹھا ہو۔ اور دوسرا یہ کہ وہ آپ ﷺ کا تابع بن کر آپ ﷺ سے استفادہ کرنے اور آپ ﷺ کی اِتباع کرنے کی غرض سے آپ ﷺ کے پاس لمبا عرصہ ٹھہرا ہو۔

**ابو الحسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحابی رضی اللہ عنہ ہونے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لمبی صحبت کا پایا جانا ضروری ہے اور استفادہ اور اتباعِ رسول ﷺ بھی ضروری ہے۔**

**امام ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:**

"فَهُوَ كُلُّ مَنْ جَالَسَ النَّبِیَّ ﷺوَلَوْ سَاعَةً،وَسَمِعَ وَلَوْكَلِمَةً فَمَافَوْقَهَااَوْشَاهِدٌ مِّنْهُ عَلِيْهِ الْاِسْلَامُ اَمْرًا يَعِيْهِ۔"[3]

ترجمہ: ہر وہ شخص جو نبی ﷺ کے پاس خواہ ایک لمحہ کے لیے بیٹھا ہو اور خواہ آپ ﷺ سے ایک جملہ ہی سنا ہو یا زیادہ سنا ہو یا آپ ﷺ سے کوئی معاملہ دیکھا ہو اور پھر اس کو یاد رکھا ہو۔

---

[1] صبحی صالح، الدکتور، **الباحث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیر**، (جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی ادارہ بناء المساجد و المشاریع الاسلامیۃ الضاحیۃ، کویت، 1999ء)، ص149

[2] بنانی، عبد الرحمن بن جاد اللہ مالکی، **المعتمد فی اصول الفقہ**، 2/172

[3] ابن حزم، **الاحکام فی اصول الاحکام**، 1953ء، 5/89

علامہ ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحابی رضی اللہ عنہ ہر وہ شخص ہے جس کی صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پائی گئی ہو چاہے ایک لمحہ ہی کیوں نہ ہو اور ایک چیز زائد بتاتے ہیں کہ صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاملہ دیکھا ہو اور اسے یاد بھی رکھا ہو اور ایک جملہ یا زیادہ جملے بھی سن رکھے ہوں۔

قاضی محب اللہ نے صحابی رضی اللہ عنہ کی تعریف یوں کی ہے:

"مُسْلِمٌ طَالَتْ صُحْبَتُهُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مُتَّبِعًا۔"[1]

ترجمہ: صحابی وہ ہے جو مسلمان ہو اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں طویل صحبت پائی ہو۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ ہر اس شخص کو کہتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی ہو قلیل ہو یا کثیر ہو، ایک جملہ سنا ہو یا ایک سے زائد جملے سن رکھے ہوں، اتباع کی ہو اور مسلمان بھی ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک طبقہ کے طور پر اسلام میں خاص مقام و مرتبہ پر فائز ہیں۔ ان کے بعد نہ کسی طبقہ کو یہ مقام و مرتبہ حاصل رہا ہے نہ رہے گا۔ دینی اعتبار سے بعض خصائص و امتیازات صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہی ہیں۔ جس طرح نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ اسی طرح یہ خصائص و امتیازات بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہوں گے۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیاتِ کریمہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و شان کا ظہور ہوتا ہے ان میں سے چند آیات کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے، پہلی آیات میں مہاجرین کا ذکر کیا گیا ہے اور اشارۃ النص سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان بھی ثابت ہو رہی ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: سب سے پہلے سبقت لے جانے والے۔

اسی آیت کی تفسیر میں امام طبری لکھتے ہیں:

"فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُمُ الذِيْنَ بَايَعُوْارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ،اَوْ اَدْرَكوا۔ عَنْ الشَّعْبِيِّ،قَالَ:المهاجرون الاوّلون،مَنْ كَانَ قَبْلَ الْبَيْعةِ اِلَى الْبَيْعةِ فَهُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْن،وَمَنْ كَانَ بَعْدَالْبِيْعةِ فَلَيْسَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْن۔"[3]

ترجمہ: پس بعض ان میں سے فرماتے ہیں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت رضوان کی یا اس بیعت کو پایا۔ حضرت شعبی سے روایت کی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ (اس سے مراد) پہلے مہاجرین

---

[1] مذکور، محمد اسلم، **مسلم الثبوت فی اصول الفقہ ھامش المستصفی للغزالی**، (المطبعۃ الامیریۃ مصر، 1343ھ)، 2/158

[2] سورۃ توبۃ: 9/100

[3] طبری، محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل آی القرآن**، (مکتبۃ ھجر، قاہرہ، طبع اول، 2001م)، 11/637

(صحابہ رضی اللہ عنہم) ہیں جو بیعت کے پہلے زمانے سے لے کر بیعت تک (ساتھ) تھے پس وہ پہلے مہاجرین ہی اور وہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) جو بیعتِ (رضوان) کے بعد ہیں پس وہ اولین مہاجرین میں شامل نہیں ہیں۔

**صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احکامِ الٰہی کی تعلیم براہ راست صاحبِ وحی سے حاصل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کے نفوس کا تزکیہ فرمایا اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی۔ اس کی گواہی قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے:**

﴿لَقَدْ مَنَ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾[1]

ترجمہ: اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہی میں سے کہ پڑھتے ہیں ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتے ہیں ان کو شرک وغیرہ سے اور سکھلاتے ہیں ان کو کتاب اور حکمت کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے۔

**صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام ومرتبہ اور فضیلت میں ایک اور نمایاں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عام مغفرت اور بخشش کا اعلان فرمایا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور تشریف آوری کے طور پر جو اللہ رب العزت نے اپنی مخلوق پر احسان عظیم فرمایا ہے اس کے اولین مخاطب صحابہ کرام ہیں اس کے بعد بقیہ امت کو خطاب ہے۔**

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾[2]

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں سچے مسلمان، ان کے لیے بخشش ہے اور روزی عزت کی۔

**اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی مغفرت کی بشارت کے متعلق قرآن پاک میں مزید ارشاد ربانی ہے:**

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾[3]

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں، اور آپس میں نرم دل ہیں تو انھیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل اور رضا چاہتے، ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے

---

[1] سورۃ آل عمران: 164/3

[2] سورۃ الانفال: 74/8

[3] سورۃ الفتح: 29/48

،یہ ان کی صفت تورات میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں اور جیسے کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا، پھر اسے طاقت دی، پھر دبیز ہوئی پھر اپنی ساخت پر سیدھی کھڑی ہوئی، کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں، اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓىٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ[1]﴾

قرآن مجید نے تمام صحابہ کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور دیگر صالح امور کی انجام دہی پر جنت کی بشارت عنایت فرمائی ہے جیسا کہ ذیل کی آیت کریمہ میں ہے:

﴿لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ-اُولٰٓىٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا-وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى-وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ﴾[2]

ترجمہ: تم میں برابر نہیں وہ جنھوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبے میں ان سے بڑے ہیں جنھوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا ہے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مزید شان بیان کرتے ہوئے اللہ رب العزت فرماتا ہے:

﴿رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا-ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾[3]

ترجمہ: اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

قرآن پاک کی مذکورہ بالا تمام آیات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختلف صفات حسنہ کو بیان کیا گیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انسانوں میں سب سے بڑھ کر ان کے مرتبے کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ مزید بر آں معترضین کے اوہام و اشکال کا ازالہ کرتے ہوئے ان کے جنتی ہونے کی بھی نوید سنا دی گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان کے متعلق خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرامین بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام و مرتبہ کو بیان کیا گیا ہے، ذیل میں چند احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے:

## صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان احادیث مبارکہ کی روشنی میں:

---

[1] سورۃ الانفال: 72/8

[2] سورۃ الحدید: 10/57

[3] سورۃ التوبہ: 100/9

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ تعظیم و توقیر کے لائق ہیں یہ وہ مقدّس و مبارک ہستیاں ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا، دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور تَن مَن دَھن سے اسلام کے آفاقی اور ابدی پیغام کو دنیا کے ایک ایک گوشے میں پہنچانے کے لیے کمربستہ ہوگئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ان مبارک ہستیوں نے قرآن وحدیث کی تعلیمات کو عام کرنے اور پرچم اسلام کی سربلندی کے لیے ایسی بے مثال قربانیاں دی ہیں کہ آج کے دور میں جن کا تصوّر بھی مشکل ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے زیبا کی زیارت وہ عظیم سعادت ہے کہ دنیا جہاں کی کوئی نعمت اس کے برابر نھیں ہو سکتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو وہ ہیں کہ شب وروز آپ صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کی زیارت اور آپ کی صحبتِ فیض سے مستفیض ہوتے رہے قرآن ودین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے سنا۔ آیاتِ قرآنیہ کے علاوہ کتبِ احادیث بھی فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذکر سے مالامال ہیں، جن میں سے چند احادیث کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

**صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی شان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے:**

((عَنْ عَمْرٍوقَالَ سَمِعْتُ جَابِرَبْنَ عَبْدُاللہ رضی اللّٰہُ عنھمایَقُوْلُ حَدَّثَنَاأَبُوْ سَعِیْدٍالخُدْرِیُّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَأتِی ۔عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغزُوْ فئامٌ مِنَ النَّاسِ فَیَقُوْلُوْنَ فِیْکُم مَنْ صاحَبَ رَسُوْل اللّٰہِ ﷺ فَیَقُولوْنَ لَھُمْ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَھُمْ ثم یَأْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوْ فَئامٌ مِنَ النَّاسِ فَیُقَالُ ھَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ أَصْحابَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَھُمْ ثَمَّ یَأتِیْ عَلی الَناسِ زَمَانٌ فَیَغْزُوُ فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ فَیُقَالُ ھَلْ فِیْکُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُوْل اللّٰہِ ﷺ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُفْتَحُ لَھُمْ))[1]

ترجمہ: عمرو بن دینار نے بیان کیا اور انھوں نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے بیان کیا کہ ہم سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک زمانہ آئے گا کہ اہلِ اسلام کی جماعتیں جہاد کریں گی تو ان سے پوچھا جائے گا کیا تمھارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں؟ وہ کہیں گے کہ ہاں ہیں، تب ان کی فتح ہو گی۔ پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مسلمانوں کی جماعتیں جہاد کریں گی اور اس موقع پر یہ پوچھا جائے گا کہ کیا یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رضی اللہ عنہ کی صحبت اٹھانے والے (تابعی) بھی موجود ہیں؟ جواب ہو گا کہ ہیں اور ان کے ذریعے فتح کی دعا مانگی جائے گی۔ اس کے بعد ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسلمانوں کی جماعتیں جہاد کریں گی اور اس وقت سوال اٹھے گا کیا یہاں بزرگ ایسے ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے شاگردوں میں سے کسی بزرگ کی صحبت میں رہے ہوں؟ جواب ہو گا کہ ہاں تو ان کے ذریعے فتح کی دعا مانگی جائے گی پھر ان کی فتح ہو گی۔

**صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے زمانے کو بھی بہتر زمانہ کہا گیا ہے:**

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، 5/2، حدیث نمبر: 3649

((عَنْ أَبِيْ جَمْرَةَ سَمِعْتُ زَهْدَمَ بْنَ مُضَرِّبٍ سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:خَيْرُ أُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ،قَالَ عِمْرَانُ: فَلاَ أَدْرِيْ أَذَكَرَ بَعَدَ قَرْنِهِ قَرْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثا،ثُمَّ اِنَّ بَعْدَكُمْ قَوْمً يَشْهَدُوْنَ وَلاَ يُسْتَشْهَدُوْنَ وَ يَخُوْنُوْنَ وَلَا يُؤْتَمَنُوْنَ وَ يَنْذُرُوْنَ وَلَا يَفُوْنَ وَ يَظْهَرُ فِيْهِمُ السَّمَنُ))[1]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"میری امت کا سب سے بہترین زمانہ میرا ہے۔ پھر ان لوگوں کی جو اس زمانہ کے بعد آئیں گے۔" پھر ان لوگوں کا جو اس زمانہ کے بعد آئیں گے۔" حضرت عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نھیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے دور کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا یا تین کا۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارے بعد ایک ایسی قوم پیدا ہو گی جو بغیر کہے گواہی دینے کے لیے تیار ہو جائے گی اور ان میں خیانت اور چوری اتنی عام ہو جائے گی کہ ان پر کسی قسم کا بھروسہ باقی نھیں رہے گا،اور نذریں مانیں گے لیکن اسے پورا نھیں کریں گے (حرام مال کھا کھا کر) ان پر مٹاپا عام ہو جائے گا۔

**صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے سخت وعید سنائی ہے:**

((وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَلْمُزَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرْضًا بَعْدِيْ، فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ، وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذَى اللّٰهَ وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّأْخُذَهٗ))[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مغفل سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ میرے صحابہ کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے بعد انھیں نشانۂ تنقید و تنقیص نہ بناؤ کیونکہ جس نے اُن سے محبت کی تو میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا تو میرے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا اور جس نے انھیں ستایا اُس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اُس نے اللہ کو ایذا پہنچائی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو بہت جلد اللہ اُس کی گرفت فرمائے گا۔

**خلاصہ یہ ہے کہ صحابۂ کرام کی عداوت اللہ و رسول سے عداوت و دشمنی اور بغض و کینہ رکھنے کی علامت ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت بھی اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ہے۔**

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے پر لعنت کرنے کا بھی حکم دیا ہے:

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، 5/2، ح:3650

[2] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، **الجامع المختصر من السنن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومعرفۃ الصحیح والمعلول وماعلیہ العمل، کتاب المناقب**، (مکتبہ دار الغرب الاسلامی، بیروت ،لبنان، طبع اول،1996م)،6/169، حدیث نمبر:3862

((عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا: لَعْنَةُ اللهِ عَلیَ شَرِّکُم))[1]

ترجمہ:ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب تم دیکھو ایسے لوگوں کو کہ وہ میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو گالیاں دے رہے ہوں تو کہو اللہ کی لعنت ہو تمہاری برائی پر۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مرتبہ بعد والے مسلمانوں کی نسبت بہت اعلیٰ وارفع ہے جس کے متعلق حدیث مبارکہ میں یوں ذکر کیا گیا ہے:

((عَنِ الْاَعْمَشِ قَالَ :سَمِعْتُ ذَکْوَانَ یُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِالْخُدْرِیِّ ،قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللهِﷺ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَباً مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهُ))[2]

ترجمہ:اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ذکوان رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ حدیث بیان کر رہے تھے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میرے اصحاب رضی اللہ عنہم کو گالیاں مت نکالو پس اگر تم میں سے کوئی ایک احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کرے (پھر بھی اس کا درجہ) میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے ایک مُد کو بھی نھیں پہنچتا اور نہ ہی مُد کے نصف کو پہنچتا ہے۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان وعظمت سمجھ آتی ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے حبیب ﷺ کی مدد اور دین اسلام کی تبلیغ کی خاطر ان نفوس قدسیہ کو کیف ما اتفق اکٹھا نھیں کیا بلکہ ہر ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو کسی نہ کسی حوالے سے حضور ﷺ کی مدد اور دین اسلام کی سربلندی کے لیے مختص فرمایا،اور بعد میں آنے والی امت کے لیے ان نفوس قدسیہ میں نمونہ ہدایت چھوڑا۔لہذا کسی بھی مسلمان کے لیے جائز نھیں کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں نازیبا کلمات کہے،ایسا کرنے والا شدید گناہ گار ہے اور اللہ رب العزت کے عذاب کو دعوت دینے والا ہے۔

[1] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، **جامع ترمذی، کتاب المناقب**،6 /172،ح:3866

[2] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب فضائل اَصحاب النبی ﷺ،5/ 113،ح:3673

# فصلِ دوم:

## رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت

# رسولِ کریم ﷺ سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت

حکیم الامت شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبال ایک عہد آفریں اور عالمگیر شخصیت تھے۔ اقبال اور مطالعہ اقبال کی متعدد منور جہات میں سے عشقِ رسول ﷺ سب سے ممتاز اور منفرد ہے۔ حضرت علامہ اقبال کو حضور ﷺ کی ذات گرامی سے ایک والہانہ عشق تھا۔ اقبال کے سوانح نگاروں نے اس ذوق وشوق اور قلبی محبت کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ انھیں جو عقیدت تھی اس کا اظہار ان کی چشم نمناک اور دیدۂ تر سے ہوتا تھا کہ جہاں کسی نے حضور ﷺ کا نام ان کے سامنے لیا، ان پر جذبات کی شدت اور رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کا نام آتے ہی اور ان کا ذکر چھڑتے ہی اقبال بے قابو ہو جاتے تھے۔ اسی لیے اقبال تمام مسلمانوں کو اسی سوز و ساز سے متصف دیکھنے کے متمنی نظر آتے ہیں۔

سید محبوب علی واسطی سیوہاروی لکھتے ہیں کہ:

"علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ہر صالح مسلمان کا دل محمد ﷺ کے مقام کی جگہ ہے"[1]

قرآن مجید میں توحید پر ایمان کامل کے ساتھ ساتھ نبوت ورسالت کے ایمان پر تاکید کی بنا پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عشق خدا کے ساتھ ساتھ عشقِ رسول ﷺ کو بھی نہایت اخلاص کے ساتھ اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کا مرکز انسانی فضیلت کی تفسیر و تعبیر ہے اور اس تفسیر و تعبیر کی اساس کلام الٰہی کے اس ارشاد پر ہے کہ انسان کائنات کا بلند ترین مظہر ہے اور نائبِ الٰہی ہے مگر اس منصب اعلیٰ تک اسی صورت میں پہنچنا ممکن ہے جب انسان صفاتِ الٰہی کا مظہر بن جائے۔ صفاتِ الٰہی کا مظہر ہی انسانِ کامل کہلاتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی فکر میں کمالِ انسانی کا یہ اعلیٰ ترین مظہر رسولِ کریم ﷺ کی زندگی ہے۔ آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ بہترین شمعِ ہدایت ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی انفرادیت ہے کہ انھوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں مدحتِ رسولِ اکرم ﷺ کو ایک نئے اسلوب اور نئے آہنگ کے ساتھ اختیار کیا ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مقام عبد اور فلسفہِ عظمتِ آدم کی گتھی سلجھانے کے بعد عبد کے عالمِ شہود میں آنے کا سبب، اس ذات لائق صلوٰۃ حضرت محمد ﷺ کو بتاتے ہوئے اپنے کلام میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے          نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے"[2]

---

[1] سیوہاروی، سید محبوب علی، **اقبال اور حب اہل بیت اطہار**، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س ن)، ص:60

[2] اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، **کلیات اقبال (اردو)**، **بانگ درا**، جواب شکوہ، (نیشنل فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2018م)، ص:227

یعنی یہ جو میں نے سات آسمانوں کے خیمے تمہارے سروں پر تان دیے ہیں اور ان کے نیچے ان کو سہارا دینے والا کوئی ایک ستون بھی نہیں تو یہ صرف نامِ محمد ﷺ کی وجہ سے اِستادہ (کھڑے ہوئے) ہیں۔ بلکہ اس پوری کائنات میں اگر زندگی کی کوئی رمق ہے اور اس کی نبض گرم چل رہی ہے تو یہ سب کچھ محمد ﷺ کے طفیل ہی سے ہے۔

کلام اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد جگہ پر عشق کی اہمیت کو اجاگر کر کے سرکارِ رسالت مآب ﷺ کے اسوہ پر عمل کرنے کو عشق کے مترادف تعبیر کیا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اگر دہر میں اجالے کے خواہش مند ہیں تو اس کا ذریعہ بھی اسمِ محمد ﷺ کو قرار دیتے ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"قُوّتِ عشق سے ہر پَست کو بالا کر دے دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے"[1]

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے باطن میں عشقِ رسول ﷺ کے سرچشمے جس طرح رواں دواں تھے اس کے پیشِ نظر اس نوع کی نعتیہ شاعری کا وجود میں آنا ایک بالکل قدرتی بات تھی لیکن علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شاعر اور مفکر ہونے سے بڑھ کر ایک عاشقِ رسول ﷺ ہونا افتخار کی بات ہے۔ عشق سے مراد صرف آپ ﷺ کی مدحت بیان کر دینا نہیں بلکہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشق سے مراد ایمان ہے اور ایمان ہمیشہ اعمال کا مطالبہ کرتا ہے لہٰذا جب علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ عشقِ رسول ﷺ کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد مقامِ رسالت کو ﷺ کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اسوہِ کامل کا عملی طور پر اتباع ہے اور اسی راہ پر چلنا انسان کو منزلِ مقصود تک پہنچا سکتا ہے۔ اتباعِ رسول ﷺ کا یہ زاویہ فکرِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ہی انفرادیت ہے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کے سفر معراج کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے

"سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفٰی سے مجھے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں"[2]

گویا صرف واقعہ معراج النبی ﷺ کو آپ ﷺ کی مدحت کے طور پر بیان کر لینا ہی اتباعِ رسول ﷺ کا تقاضا نہیں بلکہ افلاک کو عالمِ بشریت کی زد میں سمجھتے ہوئے اس مقام کے لیے تگ و دو کرنا ہی اتباعِ رسول ﷺ کی تکمیل کہلائے گا۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنی نظم "عقل و دل" میں اسی واقعہ معراج کے حوالے سے خود کو "سدرہ آشنا" کہتے ہیں:

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو) **بانگِ درا**، ص:236

[2] کلیاتِ اقبال (اردو) **بالِ جبریل**، ص:364

"تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا طائر سدرہ آشنا ہوں میں"[1]

جیسے انھوں نے آں حضرت ﷺ سے قلبی تعلق قائم کیا ان پر حقائق روشن ہو گئے اور ان کی فکر کی صبح نے آفتابِ سینہ احمد ﷺ سے نور وصول کیا۔ قبل ازیں بھی ذکر کیا گیا تھا کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اگر فکر تصوف کو قبول کرتے ہیں تو اس کی شرط انھوں نے رکھی تھی کہ ایسا فقر ہی نفع آور ہے جس سے خوشبوئے قرآن آ رہی ہو۔

چناچہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روحِ قرآنی"[2]

ایک اور جگہ اس فقر کو تلاش کرنے کی تحریک دلاتے ہیں جس کا ماخذ رسول ﷺ کی ذات ہے۔ چوں کہ آپ ﷺ کو حجاز سے نسبت تھی اس لیے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ متاعِ فقر کو حجازی فقر کہتے ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ یوں ذکر فرماتے ہیں:

"ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر جس فقر کی اصل ہے حجازی"[3]

دراصل علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا فقر ہی اسلام کا دوسرا نام ہے۔ سید نذیر نیازی کے نام اکتوبر 1925ء کو ایک مکتوب میں اسلام کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلام کی حقیقت فقر غیور ہے اور بس۔"[4]

اقبال اپنی شاعری میں نبیِ آخر الزمان ﷺ کو متعدد اسماء سے پکارتے ہیں اور اُن سے اپنی قلبی محبت و موانست کا اظہار کرتے ہیں۔ ان اسمائے مبارک میں دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل، یٰس، طٰہٰ، رسالت مآب ﷺ، رسالت ﷺ پناہ، رسولِ مختار ﷺ، رسولِ ﷺ پاک، رسولِ ﷺ عربی، رسولِ ﷺ ہاشمی، سرورِ ﷺ عالم، شہنشاہِ ﷺ معظم، میر ﷺ عرب اور کملی ﷺ والے جیسے تعظیمی القابات شامل ہیں۔ جن کی وساطت اقبال بارگاہ رسول ﷺ میں اُس اُمت کے مسائل پیش کرتے ہیں جسے "اُمتِ احمدِ مرسل" اور "ملتِ ختمِ رُسل" کا درجہ حاصل ہے۔ اقبال اپنے ملی تصور کو بھی جذبۂ

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو) **بانگ درا**، ص:72

[2] کلیاتِ اقبال (اردو) **ضرب کلیم**، ص:406

[3] ایضاً

[4] اقبال، ڈاکٹر، علامہ محمد، **مکتوبات اقبال**، سید نذیر نیازی، (اقبال اکادمی، لاہور، پاکستان، 1976م)، ص:303

عشقِ رسول ﷺ سے تقویت دیتے ہیں۔

چنانچہ ملّت کی حالتِ زار دیکھ کر اُن کی نظر بارگاہِ رسالت کی طرف اُٹھ جاتی ہے، فرماتے ہیں:

"شیرازہ ہُوا ملّتِ مرحوم کا ابتر
اب تُو ہی بتا، تیرا مسلمان کدھر جائے!

وہ لذّتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں
پوشیدہ جو ہے مجھ میں، وہ طوفان کدھر جائے

ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حُدی خوان کدھر جائے

اس راز کو اب فاش کر اے رُوحِ محمد ﷺ
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے"[1]

اقبال اپنے کلام میں جابجا دردمندی کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کو اس نقطۂ ارجمند کی جانب متوجہ کرتے ہیں کہ عالمِ اسلام کی بقا اتباعِ رسول ﷺ ہی میں مضمر ہے۔

"کرے یہ کافرِ ہندی بھی جُراتِ گُفتار
اگر نہ ہو اُمرائے عرب کی بے ادبی!

یہ نکتہ پہلے سِکھایا گیا کس اُمت کو؟
وصال مُصطفوی، افتراق بُولہبی!

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد ﷺ عربی سے ہے عالمِ عربی!"[2]

اُن کے نزدیک افرادِ ملت کا اپنی ملت کو اقوامِ مغرب پر قیاس کرنا کارِ عبث ہے۔ جب تک روحِ محمد ﷺ مسلمان کے بدن میں ہے وہ خدائے مطلق کے سوا کسی کا خوف دل میں محسوس نہیں کرتا کسی تہذیب سے اثرات قبول نہیں کرتا اور ایسی ہی ملت کے افراد سے باطل کو ہر آن خطرات لاحق رہتے ہیں۔ اقبال نے اپنی ایک ڈرامائی رنگ میں مرقوم نظم: ''ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام'' میں لکھا ہے کہ یورپ کے ابلیسی نظام کو نڈر اور متوکل مسلمانوں ہی سے ڈر رہتا ہے لہٰذا طاغوتی

[1] کلیاتِ اقبال (اردو) **بانگِ درا**، ص: 561

[2] کلیاتِ اقبال (اردو) **بانگِ درا**، ص: 577

طاقتیں ہر آن اس کوشش میں منہمک رہتی ہیں کہ فکرِ عرب فرنگی خیالات کی اسیر ہو جائے۔ اقبال اس نظم میں عالمِ تخیّل میں دکھاتے ہیں کہ ابلیس اپنے سیاسی فرزندوں کو ایسے غیور مسلمانوں کو راہِ حق سے ہٹانے کی ترغیب دلاتے ہوئے کہتا ہے۔

"وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نھیں ذرا — رُوحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات — اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

اہلِ حرم سے اُن کی روایات چھین لو — آہُو کو مرغزارِ خُتن سے نکال دو"[1]

اقبال اس جانب بھی توجہ دلاتے ہیں کہ جب بھی مسلمانوں نے پیغامِ محمد ﷺ سے دُوری اختیار کی، زوال ہی اُن کا مقدر ٹھہرا۔ ''جوابِ شکوہ'' میں استفساریہ رنگ میں زوال زدہ مسلمانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ ﷺ مختار؟ — مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟ — ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟

قلب میں سوز نھیں، روح میں احساس نھیں — کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمھیں پاس نھیں"[2]

دوسری طرف ایسے ابیات بھی کثرت سے ہیں جہاں اقبال بارگاہِ الٰہی میں ملتجی ہیں کہ ملت کے بھٹکے ہوئے آہُو کو پھر سے سُوئے حرم چلنے کی توفیق مل جائے۔ اقبال جابجا قوتِ عشقِ رسول ﷺ کے تمنائی نظر آتے ہیں اور افرادِ ملت کے قلوب میں یہ بات راسخ کر دینا چاہتے ہیں کہ محمد مصطفی ﷺ سے وفا نبھانے والوں کو دنیا تو ایک طرف لوح و قلم بھی عطا کر دیئے جاتے ہیں:

"قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے — دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو) **بانگِ درا**، ص:658

[2] کلیاتِ اقبال (اردو) **بانگِ درا**، ص:227

چشمِ اقوام یہ نظّارہ ابد تک دیکھے　　رفعتِ شانِ رفعنالک ذکرک دیکھے

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں"[1]

1905ء میں سفر یورپ سے قبل علامہ اقبال بھی غزل کے پیمانے میں روایتی قسم کی نعت لکھا کرتے تھے، لیکن جب یورپ کے سفر نے انھیں مسلمان کر دیا اور ان کی فکر اور تخیل نے ایک ہی جست میں سارے فاصلے عبور کر لیے تو انھوں نے حُبِّ نبوی سے لبریز وہ نعتیہ مضامین رقم کیے کہ اس کی ہر سطر کیا ہر لفظ سے محبت، عشق، عقیدت، شیفتگی و وارفتگی اور ذوق و شوق کے شرارے پھوٹتے ہیں۔ سفر یورپ کے بعد انھوں نے جو نعتیہ شاعری کی اس کا اسلوب اور لہجہ پہلے سے یکسر مختلف تھا۔ ایسی شاعری کو ہی جزو پیغمبری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یورپ سے واپس لوٹنے کے بعد "بلادِ اسلامیہ" کے عنوان سے جو نظم لکھی، اس میں مسلمانوں کے جاہ و جلال، ان کی عظمتِ رفتہ اور ممالکِ اسلامیہ کے مرکزی مقامات دلی، بغداد، قرطبہ اور قسطنطنیہ کو تمام تر علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کا مرکز اور سرچشمہ قرار دینے کے باوجود ان سب کو "خواب گاہ مصطفی" حجاز اور مدینہ منورہ کے تقدس اور عظمت و جلال کے سامنے ہیچ اور کمتر تصور کرتے ہیں اور اس کو خاتمِ ہستی میں نگینے سے تشبیہ دیتے ہیں، کیوں کہ اس کی آغوش میں شہنشاہِ معظم اور اقوامِ عالم کا ماوا و ملجا اور رہبر انسانیت آسودہ خواب ہے۔

"وہ زمیں ہے تو، مگر اے خواب گاہ مصطفی　　دید ہے کعبے کو تیری حج اکبر سے سوا

خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں　　اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں"[2]

وہ اگرچہ اپنے جسم و جثے کے ساتھ حجازِ مقدس میں پہنچ نہ سکے، لیکن ان کے تخیلات کا پرندہ ہمیشہ مکہ اور مدینہ کی فضاؤں میں ہی محو پرواز رہتا تھا۔ عشقِ نبویؐ کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ حجازِ اقدس کی زیارت اور روضۂ اطہر کی زیارت کا کلمہ ہر وقت ان کے ورد زبان رہتا تھا۔ اقبال کسی ایسی ہوا کے انتظار میں تھے جو انھیں مکہ اور مدینہ کی مقدس وادیوں کی غبار تک پہنچا دے اور وہ وہیں کی کنکریلی اور پتھریلی خاک کا پیوند بن جائیں کہ ایک سچے عاشق کے لیے غمِ دوراں سے نجات اور وصلِ محبوب کا یہی ایک راستہ ہو سکتا ہے۔

---

[1] کلیات اقبال (اردو) **بانگ درا**، ص:227

[2] کلیات اقبال (اردو) **بانگ درا**، ص:171

راہ حجاز سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں:

"ہوا ہو ایسی کہ ہندوستاں سے اے اقبال اڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کرے"[1]

ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں:

"اوروں کو دیں حضور یہ پیغام زندگی میں موت ڈھونڈتا ہوں زمینِ حجاز میں"[2]

بالِ جبریل کے ایک قصیدے کے درج ذیل شعر میں لفظوں کے انتخاب اور جملوں کی متناسب نشست نے وہ جامعیت پیدا کر دی ہے کہ اس پر طویل تحقیقی مقالے قربان کیے جاسکتے ہیں۔

"نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر وہی قُرآں وہی فُرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ"[3]

اقبال کے پیغام کا نچوڑ اور ماحصل نظریہ خودی میں سما گیا ہے۔ خودی ایک سادہ لفظ ہے، مگر اس کی گہرائیوں میں اتریے تو وہ ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ خودی کے ترکیبی عناصر کیا ہیں۔ خودی کی تربیت کے کتنے مراحل ہیں، مردِ کامل اور مردِ مومن کو کن صفات کا مرکز و محور ہونا چاہیے۔ اقبال نے خودی کے فلسفے کی طولانی بحثوں کو تمام مالہ اور ماعلیہ کے ساتھ ان دو شعروں کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔

"خودی کی جلوتوں میں مصطفائی خودی کی خلوتوں میں کبریائی

زمین و آسمان و کرسی و عرش خودی کی زد میں ہے ساری خدائی"[4]

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ راہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عشاق کے قافلے کو رہزنوں کے ذریعے لوٹ لیے جانے کو بھی باعثِ صد افتخار تصور کرتے ہیں۔ اب تو سعودی حکومت کی زبردست حفاظتی خدمات کی وجہ سے حجازِ مقدس کا راستہ پر امن ہو گیا ہے، مگر آج سے چودہ سو سال قبل کا سفر مکہ کسی سندباد کے پر خطر سفر سے کم نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگ 'محمل شامی' کی معیت میں سفر کرنے کو ترجیح دیتے تھے، لیکن علامہ اقبال خوف اور شوق کی کشاکش کو بیان کرتے ہوئے اس سفر کے خطرات کو بھی خوش انگیزی سے قبول کرنے کا درس دیتے ہیں اور اس سفر میں اگر اپنی حقیر سی متاعِ حیات بھی قربان ہو جائے تو کوئی پروا نہیں کرنا

---

[1] کلیات اقبال (اردو) **بانگ درا**، ص:131

[2] کلیات اقبال (اردو) **بانگ درا**، ص:226

[3] کلیات اقبال (اردو) **بال جبریل**، ص:363

[4] کلیات اقبال (اردو) **بال جبریل**، ص:410

چاہیے کہ اس کا اصلی نشیمن تو راہِ شوق میں قربان ہو جانا ہے۔ عشقِ نبی ﷺ سے سرِ شار قلب میں اسی قسم کے تصورات جا گزیں ہو سکتے تھے۔ "ایک حاجی مدینے کے راستے میں" یہی کچھ کہتے ہیں:

"خوف کہتا ہے کہ یثرب کی طرف تنہا نہ چل — شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بیباکانہ چل

گو سلامت محملِ شامی کی ہمراہی میں ہے — عشق کی لذت مگر خطروں کی جاں کاہی میں ہے"[1]

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مشہور غزلیہ استعارہ بادِ صبا کے ذریعے بھی اپنا پیغام اور اپنے دل کا حال اپنے محبوبِ سرورِ کائنات ﷺ تک پہنچانا چاہتے ہیں کہ مصیبت کے وقت اور مایوسی کے عالم میں یہی ایک قدرتی سہارا انسان کے پاس باقی رہ جاتا ہے۔ بانگ دار کی ایک غزل میں کہتے ہیں:

"اے بادِ صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا — قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی"[2]

یہ ہے وہ تصورِ رسالت جس کے طفیل ملتِ اسلامیہ ایک ملتِ واحدہ کے طور پر ابھری تھی۔ اللہ نے تو مسلمانوں کو "توحید" پر ایمان کے بعد صرف اور صرف "رسالت" پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا اور حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر نبوت کے خاتمے کا اعلان فرما کر اس بات کا امکان ہی ختم فرما دیا تھا کہ حضورِ اکرم ﷺ کے بعد کوئی فرد یا گروہ اس بات کا دعویٰ کرے کہ تکمیلِ دینِ اسلام کے بعد بھی اس کی ذات اسی طرح واجب التعظیم اور واجب الاتباع ہے جیسے حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی۔ یہی وجہ ہے کہ امتِ مسلمہ کی اکثریت نے کبھی بھی حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ والا کے بعد کسی بھی بزرگ کو صرف اور صرف اتباعِ رسول ﷺ کی بنیاد پر بزرگ جانا۔ نہ تو انھیں بذاتہٖ واجبُ الاتباع جانا اور نہ معصوم عنِ الخطا قرار دیا۔ ہاں حضورِ اکرم ﷺ کے تمام مومن اقرباء اور صحابہ کرام و ازواجِ مطہرات، سب کے سب محفوظ عنِ الخطا تسلیم کیے گئے۔

اقبال نے یہ نکتہ اپنے ایک خطبے میں واضح کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"اسلام کی آفرینش، عقلِ استقرائی کی آفرینش ہے۔ اسلام میں نبوت اپنی تکمیل کو پہنچی ہے کیوں کہ اس نے اپنے ہی خاتمے کی ضرورت کو محسوس کر لیا ہے۔ اس میں یہ ادراک گہرے طور پر موجود ہے کہ زندگی کو ہمیشہ بیساکھیوں کے سہارے نہیں رکھا جا سکتا اور یہ کہ ایک مکمل خود شعوری حاصل کرنے کے لیے انسان کو بالآخر اس کے اپنے وسائل کی

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو) **بانگ درا**، ص:188

[2] کلیاتِ اقبال (اردو) **بانگ درا**، ص:309

طرف موڑ دینا چاہیے۔ اسلام میں پاپائیت اور موروثیت کا خاتمہ، قرآن میں استدلال اور عقل پر مسلسل اصرار اور اس کا بار بار فطرت اور تاریخ کے مطالعے کو انسانی علم کا ذریعہ قرار دینا، ان سب کا تصور ختمِ نبوت کے مختلف پہلوؤں سے گہرا تعلق ہے۔ انسانی فکر کی تاریخ میں اب ہر قسم کا شخصی تحکم جو کسی مافوق الفطرت سرچشمے کا دعویٰ کرتا ہے ختم ہو چکا ہے۔"[1]

علامہ اقبال کی اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں جاننا ہو گا کہ اقبال دینِ اسلام کے اس version کو تسلیم کرتے ہیں جس میں عربیت غالب ہو۔ عجمی نظریات کے ضمن میں اقبال کے بے شمار تحفظات ہیں۔ اسی لیے وہ برملا کہتے ہیں:

"تب و تابِ بتکدۂ عجم نرسد بسوز و گدازِ من — کہ بیک نگاہِ محمدؐ عربی گرفت حجازِ من"[2]

ترجمہ: غیر عرب بتکدہ کی چمک دمک میرے سوز و گداز کو نہیں پہنچتی۔۔۔ یعنی غیر عربی یا غیر اسلامی تصورات و نظریات میری طبیعت کو راس نہیں ہیں۔ کیوں کہ میرے دل پر حضورِ اکرم ﷺ کی نگاہِ لطف و کرم کا اثر بہت گہرا ہو چکا ہے۔ گویا آپ کی تعلیمات کے ارتکاز کی وجہ سے میرا دل ہی حجاز بن گیا ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اقبال کے درجِ بالا شعر کی بہت اچھی تشریح کی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ من و عن یہاں نقل کر دی جائے:

"تب و تاب بتکدۂ عجم کنایہ ہے غیر اسلامی تصورات سے۔ محمد عربی ﷺ کنایہ ہے اسلامی تعلیمات سے۔ اور حجازِ من کنایہ ہے قلبِ عاشق سے۔ کہتے ہیں کہ سرکارِ مدینہ ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات نے آنِ واحد میں میرے دل و دماغ پر اس طرح قبضہ کر لیا ہے کہ اب عجمی تصورات (غیر اسلامی خیالات) میری نگاہ میں بالکل بے قیمت ہو کر رہ گئے ہیں یعنی عاشقِ رسول ﷺ غیر اسلامی خیالات سے متاثر نہیں ہو سکتا"[3]

بالِ جبریل میں شامل نظم "ذوق و شوق" فکر و فلسفہ اقبال کا ایک ایسا شاہکار ہے جس میں حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت کے بھرپور ادراک کے ساتھ انھوں نے اسلامی تاریخ کے روشن ماضی کے نقوش کی طرف تخلیقی قوت کے ساتھ اشارے کیے ہیں۔ کمزور حال کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ لیکن عشقِ نبوی ﷺ کی قوت حاصل کر کے اپنے مستقبل کو تابناک بنانے کا نسخہ بھی بتایا ہے:

"آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو — نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

---

[1] اقبال، ڈاکٹر، علامہ، محمد، **خطباتِ اقبال، تجدیدِ فکریاتِ اسلام**، مترجم: ڈاکٹر وحید عشرت، نظرِ ثانی: ڈاکٹر عبدالخالق، (اقبال اکادمی، پاکستان، 2002م)، ص:155

[2] اقبال، ڈاکٹر، علامہ، محمد، **پیامِ مشرق**، غزل 34، (شیخ بشیر اینڈ سنز، لاہور، س۔ن)، ص:250

[3] یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، **شرحِ پیامِ مشرق**، (عشرت پبلسنگ ہاؤس، لاہور، س۔ن)، ص:499

جلوتیانِ مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق　　خلوتیانِ میکدہ کم طلب و تہی کدو

میں، کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ　　میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو!

بادِ صبا کی موج سے نشو و نمائے خار و خس!　　میرے نفس کی موج سے نشو و نمائے آرزو!

خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش　　ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو!"[1]

اقبال نے شانِ رسالت میں ایسے شاہکار اشعار پیش کیے ہیں جن کی مثال پوری اردو نعت کی تخلیقی تاریخ میں نھیں ملتی، مثلا فرماتے ہیں:

"لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب　　گُنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ　　ذرہ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود　　فقرِ جُنید و بایزید تیرا جمالِ بے نقاب

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام　　میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے　　عقل، غیاب و جستجو! عشق، حضور و اضطراب

تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے　　طبعِ زمانہ تازہ کر جلوہ بے حجاب سے "[2]

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو) **بالِ جبریل**، ص:436

[2] کلیاتِ اقبال (اردو) **بالِ جبریل**، ص:440

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا حال یہ تھا کہ وہ بیشتر اوقات قلب و ذہن و روح کے ساتھ اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اسی کیفیت کی ایک نظم "حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں" کے اکثر اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں حاضر ہیں، مثلاً فرماتے ہیں:

"گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا ~~~

"؎ فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھ کو — حضورِ آیہ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئے مجھ کو

کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عندلیبِ باغِ حجاز — ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

اسی نظم میں آگے جا کر مزید فرماتے ہیں:

؎ حضورؐ! دہر میں آسودگی نہیں ملتی — تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ہزاروں لالہ و گُل ہیں ریاضِ ہستی میں — وفا کی جس میں ہو بو، وہ کلی نہیں ملتی

مگر میں نذر کو اِک آبگینہ لایا ہوں — جو چیز اِس میں ہے وہ جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اِس میں — طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اِس میں"[1]

اس نظم سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جنابِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں بھی امت کا احوال ہی پیش کیا اپنی ذاتی روحانی و قلبی واردات کا ذکر نہیں کیا۔ امت کو اسلامی اقدار کا پابند رہنے کی تلقین اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی اور محبت کی دعوت دینا ہی اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا فکری و شعری مسلک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ انھوں نے تو شاعری کو پیغام پہنچانے کا ذریعہ بنایا ہے محض شاعری نہیں کی ہے۔

"؎ نہ شعر است ایں کہ بروے دل نہادم — گرہ از رشتۂ معنیٰ کشادم

بامیدے کہ اکسیرے زند عشق — مس ایں مفلساں را تاب دادم"[2]

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو) **بانگِ درا**، ص:224

[2] کلیاتِ اقبال (ا-ردو) **ارمغانِ حجاز**، ص:178

ترجمہ "یہ محض شاعری نہیں ہے کہ جس میں میرا دل اٹکا ہوا ہے۔ میں تو معانی کی گرہیں کھول رہا ہوں۔ اس امید پر کہ میری قوم کو عشقِ نبوی ﷺ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اکسیر بنادے۔ میں اس مفلس قوم کے تانبے کو آگ میں تپارہا ہوں تا کہ یہ اکسیر بن جائے"۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مفلس قوم کے تانبے کو اکسیر بنانے کے لیے ہر ہر زاویئے سے دعوتِ عمل دی اور عشقِ محمدی ﷺ کی غایت کا احساس دلایا۔

"عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری — مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری

ماسوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری — تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

آگے چل کر رسول اللہ ﷺ سے وفا کا انعام بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں"[1]

اسلام سے یہ شیفتگی اور وابستگی، داعی اسلام ﷺ کی سیرت و کردار کے گہرے مطالعے کے نتیجے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں پیدا ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ذکرِ رسول ﷺ اُن معلومات اور تاثرات کا نچوڑ ہوتا ہے جو دنیا کی تحریکوں، مذاہب عالم اور اکابر ہستیوں کے تقابلی مطالعہ سے ان کے ذہن و دماغ میں نقش ہوئے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہِ حقیقت شناس نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکمران بھی رہے لیکن آپ ﷺ کی زندگی دیگر سلاطین کے مقابلے میں کتنی پاکیزہ اوصاف و اخلاق پسندیدہ تھی۔ آپ ﷺ نے محکوموں تک کی آزادیٔ فکر، آزادیٔ رائے اور آزادیٔ گفتار کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں رکھنے کے باوجود فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی اس مشاہدے سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ذاتِ رسالت مآب ﷺ کا جلوہ اتنے زاویوں اور پہلوؤں سے دیکھا جس سے دوسرے محروم رہے۔ اسی وجہ سے اُن کے الفاظ الگ انداز مختلف اور اسلوب منفرد ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اس شاعری میں ذاتی تاثرات و کیفیات کی جھلک بھی ہے اور قوم کے عروج زوال کے مراحل سے گذرنے کے دوران رسول ﷺ اور اتباعِ رسول ﷺ کی کمی بیشی کی کارفرمائی اور ان منطقی نتائج کا بیان بھی ہے اور خود رسالت مآب ﷺ کے فضائل و مناقب کا بیان بھی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی پوری شاعری اپنے ارتقا کے ہر دور میں اس شمع کے اُجالے سے منور نظر آتی ہے۔ ذکرِ رسول ﷺ کا ترانہ جب اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر جاری ہوتا ہے تو ان کی بے

---

[1] کلیات اقبال (اردو) **بانگ درا**، ص:227

خودی، سرشاری اور والہانہ جذب و کیف کا عالم ہی جدا ہوتا ہے، ہر شعر لگتا ہے کہ نہاں خانوں سے بے اختیار پھوٹتا ہے۔ الفاظ میں جادو، انداز میں جلال، اور تراکیب و بندشیں چست اور شوق و مستی کی غماز ہوتی ہیں فرماتے ہیں:

"خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش ہے رگ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں جو رعنائیاں اور دل آویزیاں دیکھتے ہیں، اُن سب کا ظہور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرشمہ گردانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرتَو سے ریت کا ذرہ آفتاب کی ہمسری کرتا نظر آتا ہے۔ عرب کے باسی تہذیب و تمدن سے کوسوں دور تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں فیض پاکر دنیا کے شہریار اور تاجدار کہلائے اور دنیا پر اسلام کی رفعت اور بزرگی ثابت کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی جامع کمالات ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال کا مظہر سلاطین اسلام تھے جن کی سطوت کے سامنے بڑے بڑے سلاطین سرنگوں رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا پرتَو صوفیا و بزرگانِ دین تھے جن کے سامنے اہل دنیا ہاتھ باندھے سر جھکائے حاضر ہوتے تھے۔

"شوکت سنجر و سلیم، تیرے جلال کی نمود فقر جنید و بایزید، تیرا جمال بے نقاب"[2]

توحید یعنی خدائے واحد کی ذات اور جملہ صفات پر ایمان لانا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوتِ دین کا محور و مرکز رہا ہے اور اسی تصور کی مدد سے عقلِ انسان کو منزل ایمان نصیب ہوئی ہے۔ تاریخِ ادیان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں لوگ سرچشمہ توحید کو گدلا کرتے رہے اور انبیا اور صلحا کے ذریعے اس کی تطہیر ہوتی رہی۔ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو دینِ کامل اور تمام امت کی بشارت ملی۔ حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ کامل کی رو سے توحید کو فکر و عمل کی ایسی تکمیل یافتہ صورت میں جلوہ نما فرمایا کہ اسلام قبول کرنے والے افراد جن کا ماضی افتراق و انتشار سے بھرپور تھا ایک لڑی میں پرو دیئے گئے اقبال کی نظر میں دیگر فوائد کے علاوہ توحید مسلمانوں کے درمیان یگانگت اور مفاہمت کا رشتہ مستحکم رکھنے کی محرک ہے۔ رسالت بھی دیگر فوائد کے علاوہ اس محرک کی بے نظیر مظہر ہے۔ یعنی توحید کی مانند رسالت بھی ایمان بالغیب کی محکم احساس ہے رسالت، اللہ تعالی کے اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعے عام انسانوں کی رہنمائی کے لیے سامان ہدایت فراہم کرنے کا نام ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نبوت کو روحانیت کے مظہر ہی قرار نہیں دیتے بلکہ فرد کے استعال کی خاطر بہترین معاشرتی معاشی نظام پیش کرنے والا بھی سمجھتے ہیں اور جو فرد اس نظام کا رکن نہ ہو یا انکار کرے وہ ان کمالات سے محروم ہو جاتا ہے اس کو مذہبی اصطلاح میں کفر کہتے ہیں۔

---

[1] کلیات اقبال (اردو) **بانگ درا**، ص:405

[2] ایضاً

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا بجا طور پر یہ خیال ہے کہ اسلام نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، ان کی تعلیم اور ان کے افعال کے ذریعے وحدت مطلقہ اور توحید کامل کا ایک نہایت واضع تصور پیش کیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مشاہدات وواردات، سوز وساز، دین وسلطنت، فقر وشہنشاہی اِس طرح سمو دی گئی کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ دوئی کے تصور کے خلاف ایک زندہ ثبوت، توحید کے نقطے کی تفسیر اور حقیقت مطلقہ کی وحدت کی دلنشیں برہان بن کر رہ گئی۔ انسانی زندگی ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے، اسلام نے جہاں روح اور مادے کی دوئی کو ختم کیا اسی طرح دین اور مملکت کی دوئی کو مٹا دیا۔ اس کی جگہ اسلام نے زندگی کی فطرت اور عادت کو برقرار رکھا اور اخلاق و اقدار اور قوت و مذہب کو ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پیوست کر دیا۔ لیکن مغرب کی پیروی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں نے اندازِ سیاست اور طرزِ حکومت میں گمراہی کے راستہ اختیار کرنا شروع کر دیے۔ مغرب میں مرضِ دوئی انتہا کو پہنچ چکا تھا، وہاں سلطنت اور دین، اخلاق اور معاشرت، عرفان اور سائنس میں جدائی ہے جن کا نتیجہ خوفناک ذہنی اور روحانی امراض کی شکل میں نکل رہا ہے۔

"فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب — کہ روح اس کی مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید — ضمیرِ پاک وخیالِ بلند وذوقِ لطیف"[1]

دوئی مغرب ہو یا مشرق میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا علاج ایک ہی تجویز کیا ہے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت رکھنے والوں کی زندگی دوئی کے خلاف سب سے مؤثر احتجاج تھی۔ کسی بھی شکل میں دوئی کو رواج دینے والوں کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ علی الاعلان ٹوک کر مقامِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس انداز میں یاد دلاتے ہیں:

"انجامِ خرد ہے بے حضوری — ہے فلسفہ زندگی سے دوری!

افکار کے نغمہ ہائے بے صوت — ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت!

[1] کلیات اقبال (اردو) **ضرب کلیم**، ص:585

دیں مسلکِ زندگی کی تقویم — دیں سرِّ محمدؐ وابراہیمؑ"[1]

اور نگاہِ عشق و مستی کی ہر تفسیر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہیں۔

"وہ دانائے سُبل، ختمِ الرُسل مولائے کلؐ جس نے — غُبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر — وہی قُرآں، وہی فُرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ"[2]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں ہر وہ فتنہ جو ملتِ اسلامیہ کے لیے مہلک ثابت ہو سکتا ہے ہر وہ مرض جو اسلام کے نظام حیات کو گُھن کی طرح کھا سکتا ہے۔ ان سب کا علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی عقیدت کو رسول ﷺ سے استوار کرے۔ یہاں تک کہ اس عقیدت کو مقامِ عشق تک پہنچا دے۔ آپ ﷺ کے ہی قول سے استدلال کرے انہی ﷺ کے فعل سے استشہاد کرے یہی ملتِ اسلامیہ کے ہر مرض کا علاج ہے۔ یہی کتاب و سنت کی پیروی ہے۔ خدا نے اسلام کا اعلان محض کلام و الہام سے نھیں کیا بلکہ آپ ﷺ کے وجودِ حیات سے اس کو ثابت کیا اور واضح کر دیا کہ خدا کیا ہے؟ انسان کو کیا کرنا چاہیے بلکہ جو کچھ کرنے کا حکم ہے وہ کر بھی سکتا ہے چنانچہ رسالتِ مآب ﷺ کی زندگی کو خدا سے وہی نسبت حاصل ہے جو انسان کو رسالتِ مآب ﷺ سے حاصل ہے۔ جہاں تک علم و عمل کا تعلق ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی ہم انسانوں کے لیے زیادہ قابل تقلید اور زیادہ قابل تقلید اور زیادہ ممکن العمل ہے۔

"عقل و دل و نگاہ کا مُرشدِ اوّلیں ہے عشق — عشق نہ ہو تو شرع و دیں بُت کدہ تصوّرات"[3]

خدا نے بعثتِ نبوی ﷺ میں سب سے بڑا راز یہ رکھا ہے کہ جو کچھ ہم بندوں سے کرانا چاہتا ہے۔ اُس کا ہم بندوں ہی میں سے نمونہ بھی پیش کر دیتا ہے۔ تا کہ ہم اس کو انسانی فہم و ادراک اور اس کی سعی و عمل سے ماورا کوئی آسمانی کرشمہ سمجھ کر بد دل نہ ہو جائیں بلکہ ایک ممکن العمل حقیقت تصور کریں۔ آں حضرت ﷺ نے پیغامِ رسالت کیوں کر ادا کیا اور نظامِ عالم میں کیا

---

[1] کلیات اقبال (اردو) **ضرب کلیم**، ص:530

[2] کلیات اقبال (اردو) **بال جبریل**، ص:361

[3] کلیات اقبال (اردو) **بال جبریل**، ص:436

کیا انقلابات پیدا کیے اور کس طرح دنیا کو گمراہی سے نکال کر نجات کا سچا راستہ دکھایا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک نظم میں ابلیس کی زبانی اسلام کی ان انقلابی تعلیمات اور تعمیری نظام کا کچھ حصہ یوں ذکر کیا ہے:

"الحذَر! آئینِ پیغمبر سے سَو بار الحذَر — حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے — نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں"[1]

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ان مذکورہ بالا اشعار سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت اور وفا ہی کو ایک مسلمان کی کل میراث تصور کرتے ہیں اور زمانے میں معزز شہری بننے اور باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کے لیے بھی یہی راز بتاتے ہیں کہ اگر مسلمان دین و دنیا کی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جان سے بڑھ کر نہ صرف محبت کریں بلکہ ان کے بتلائے ہوئے فرامین پر صحیح معنوں میں عمل کریں تو وہ دن دور نہیں جب ساری دنیا کی ترقی و کامیابی مسلمانوں کے قدم چومے گی۔

## اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری خلف کو سلف سے قریب کرتی ہے۔ ان معنوں میں کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ امتِ مسلمہ کی عظمتِ رفتہ کے متجسس و شائق تھے۔ کلامِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا قاری، اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کبھی عرب کے صحرا نشینوں کو اسلام کی عظمت کے جھنڈے لہراتے ہوئے دیکھتا ہے، کبھی یرموک کے میدان میں ایک جوان کو شوقِ شہادت سے بے قرار پاتا ہے، کبھی طارق بنِ زیاد کو ربِ ذوالجلال سے مناجات کرتے سنتا ہے، کبھی عبد الرحمن اول کو اندلس میں کھجور کا پودا لگا کر اپنے تاثرات بیان کرتے دیکھتا ہے، کبھی ترکانِ عثمانی کی سطوتوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے اور کبھی جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشا حالت نماز میں دکھائی دیتے ہیں۔ الغرض اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری آتشِ رفتہ کا سراغ ہے۔ خود کہتے ہیں:

"میں کہ میری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ — میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو"[2]

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو)، **ارمغان حجاز**، ص:701

[2] کلیاتِ اقبال (اردو) **بالِ جبریل**، ص:436

کلامِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں اسلاف کا لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ بلاشک وشبہ اسلاف سے مراد ملت کے وہ زعما ہیں جنھوں نے مختلف جہات سے اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لیا ہے۔ تاہم بہت سے اشعار میں اسلاف کا لفظ خالص صحابہ کرامؓ ہی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ "خطاب بہ جوانانِ اسلام" میں نوجوان مسلم کو خطاب کرتے ہوئے اقبال دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصل کو پہچانے۔ ایک لمحے کے لیے وہ اس کے سامنے عرب کے صحرا نشینوں کا نقشۂ زندگی کھینچ دیتے ہیں، جنھوں نے اپنے فقر کے ساتھ پوری دنیا کو اللہ کے سامنے جھکا دیا تھا۔ عرب کے ان صحرا نشینوں نے، جن کا اول بلاشبہ طبقہ صحابہ تھا، دنیا کو ایک نیا حیات آفرین تمدن دیا۔ لیکن نوجوان مسلم اپنی اصل سے اتنا دور جا چکا ہے کہ اس کے تخیل میں بھی اسلاف کی شانِ جلال و جمال نہیں آسکتی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اسلاف سے جو دولت فکر و نظر پائی تھی، اس کی ناقدری کی، تو ہم پستیوں میں گر گئے۔

"گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا"[1]

گویا اقبال اسلاف کا تذکرہ کر کے اتباعِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر زور دیتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں ہر شک وشبہ سے بالا اور لائق پیروی ہیں۔ یہی وہ ہستیاں تھیں جنھوں نے اپنے گفتار و کردار، معاملات وعبادات اور دعوت وجہاد سے اسلام کا سکہ ساری دنیا میں بٹھا دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی وہ مبارک ہستیاں تھیں جو نجومِ ہدایت قرار پائیں اور ہر دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے درمیان تعلق جوڑنے کا ذریعہ بنی ہوئی ہیں۔ اس بات کے ثبوت میں کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسلاف کا لفظ استعمال کر کے طرزِ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنانے پر زور دیا ہے، جوابِ شکوہ کا مندرجہ ذیل بند ملاحظہ فرمائیے:

"ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے — تم مسلمان ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نہ دولتِ عثمانی ہے — تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟
وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر — اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر"[2]

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:207

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:227

اقبال کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کی عظمتِ رفتہ کی بازیابی اور اتحاد و یگانگت کا حصول انہی پاکباز اسلاف کے اتباع سے ممکن ہے، فرماتے ہیں:

"؎تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر"[1]

اپنی مشہور نظم "شکوہ" میں اقبال نے خدائے پاک سے امت کی تنزلی اور ناگفتہ بہ صورتحال کا رونا رویا ہے اور "جوابِ شکوہ" میں ان کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ دونوں ہی نظمیں ذکرِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ "شکوہ" صحابہ کی قربانیوں کا خاکہ پیش کرتی ہے اور "جوابِ شکوہ" سے اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم پر عمل کی ترغیب ملتی ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ بطور دلیل 'شکوہ' کے صرف تین بند پیش کیے جاتے ہیں۔ دینِ اسلام کے فروغ، کلمہ حق کی سربلندی کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا کیا ملاحظہ فرمائیں:

"؎ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر

خُوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر؟

تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام تیرا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام تیرا؟"[2]

کلمہ حق کی سربلندی کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طاغوتی طاقتوں سے جس طرح ٹکرائے، اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ان واقعات کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ قلعہ خیبر کا ہے جو یہود کا خاص علاقہ تھا، اس کے علاوہ شہر قیصر یعنی قسطنطنیہ ہے جس پر حملوں کا آغاز سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا اور جس کی فتح بالآخر سلطان محمد فاتح رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوئی۔ اسی طرح ایران جس کی فتح سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی، صحابہ رضی اللہ عنہم کی شجاعت و اولوالعزمی کی چند مثالیں ہیں۔ اب "شکوہ" کا یہ بند ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:283

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:190

"تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے
شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے ؟

توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے ؟
کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے ؟

کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایراں کو ؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرہ یزداں کو ؟"[1]

ایک اور بند میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کا بیان کیا ہے۔ فارس کے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، قرن کے اویس قرنی رضی اللہ عنہ (جو قول معتبر کے مطابق صحابی نہیں بلکہ تابعی تھے) اور حبشہ کے سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ جنہوں نے اللہ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اس کے ماسوا پر غالب کر دیا تھا، ان کا ذکر سنیے:

"تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑا؟
بت گری پیشہ کیا؟ بت شکنی کو چھوڑا؟

عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟
رسم سلمان و اویسِ قرنی کو چھوڑا؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثل بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ رکھتے ہیں"[2]

"شکوہ" کے یہ اشعار شاعر کو ان اسباب و وجوہ کا عرفان عطا کرتے ہیں جو امت کے فکر و عمل کے زوال کا باعث بنے۔ "جوابِ شکوہ" کا بہ نظر غائر مطالعہ اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ ایک بند میں اس بات پر عار دلائی گئی ہے کہ دور حاضر کا مسلمان فلسفۂ ضرورت کی بھینٹ چڑھ گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن حیات بخش و تمدن آفریں اصول و ضوابط کے ساتھ بھیجے گئے تھے، ان کو چھوڑ کر غیروں کے عادات و اطوار کو اپنانے پر فخر سمجھا جانے لگا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے طرزِ حیات سے اظہارِ بیزاری عام ہے اور رائج الوقت رسوم و رواج پر چلنا باعثِ امتیاز سمجھ لیا گیا ہے۔

---

[1] ایضاً

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:190

"کون ہے تارکِ آئینِ رسول مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟

کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمان کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اپنی باطنی کیفیات کو منہاجِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر لانے کے لیے محنت کریں۔ قوم میں وعظ و نصیحت، ذکر و فکر اور اذان جیسے مبارک اعمال اگرچہ باقی ہیں، مگر بے روح یہی وجہ ہے کہ رحمتِ الٰہی متوجہ نہیں ہوتی۔ ہمیں باطن میں بھی عشق و محبت، یقین اور اخلاص کی وہ شمع جلانی پڑے گی جو صحابہ کے قلب کو منور کیے ہوئی تھی، اسکے بغیر حالات کا درست ہونا ممکن نہیں۔

"واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی، شعلہ مقالی نہ رہی

رہ گئی رسم اذاں، روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے"[2]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اردو شاعری میں بکثرت ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جس سے حضرتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کا قلبی لگاؤ معلوم ہوتا ہے یہ نہیں کہ ان کا لگاؤ صرف انہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے جن کا نام لے کر انھوں نے ذکر کیا ہے بلکہ وہ یوں بھی بات کر جاتے ہیں کہ سارے قرنِ اولیٰ کی بات ہو جائے۔ "خطاب بہ جوانانِ سلام" اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی معروف نظموں میں ہے اقبال رحمۃ اللہ علیہ امتِ مسلمہ

---

[1] ایضاً:227

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:227

کے نوجوانوں کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ اپنے اسلاف کو دیکھو جنہوں نے ساری دنیا کے انسانوں کو اللہ کے سامنے جھکا دیا۔اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

"کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟ — وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

غرض کیا کہوں میں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے — جہاں گیر و جہاں دار و جہانباں و جہاں آرا"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر و فکر کے ذریعے مسلم نوجوانوں کو مخاطب کرکے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کی طرف متوجہ کیا ہے۔ان کے نزدیک نوجوان امت کا سب سے قیمتی طبقہ ہے اگر انھوں نے مغربی تہذیب کو اختیار کر لیا تو ان کی زندگی محال ہو جائے گی۔چونکہ اس میں تن آسانی، غفلت شعاری ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ نوجوانوں کو تلمیحات کے ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔شکوہ جوابِ شکوہ میں بے شمار تلمحات اور اشارات ایسے ہیں جن سے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں ان کے اوصاف کو زندگی میں سمو لینے کی تلقین کی ہے۔چونکہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے اپنے کردار، سیرت و اخلاق سے دنیا کی تاریخ کو بدلا۔انسانوں کے اندر انسانیت والی صفات پیدا کیں۔زندہ رہنے کے لیے ایسے ضوابط مہیا کیے کہ قرآن مجید بھی ان کے بارے میں کہہ اٹھا:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَتُه﴾ [2]

ترجمہ: سخت حاجت کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔

یہ توحید حق کے پروانے تھے اور شہادت ان کی زندگی کا مقصود تھی۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق کہتے ہیں:

"یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے — جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:207

[2] سورۃ الحشر: 59/9

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی وہ مردانِ حق تھے جنھوں نے اپنے خون و جگر سے تاریخِ انسانی کو نہ صرف اور صحیح رخ دیا بلکہ اپنے لہو سے اس میں رنگ بھی بھر دیا۔ ان کے نزدیک زندگی ایک امانت ہے جس کا استعمال احتیاط سے کرنا ہے اور پھر جب موت آئے گی تو اسے رب کے ساتھ ملنے کا اشتیاق ہو گا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں اس کی بین ثبوت ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے آرزومند نظر آتے ہیں کہ یا خدا نوجوانانِ ملت میں پھر ایسا ہی جذبہ بیدار کر دے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ آنے والی نسلوں کو عہدِ رفتہ کی یاد تازہ کراتے ہیں اور اسلاف کے کارناموں کی جھلک دکھاتے ہیں تاکہ وہ اس پر عمل پیرا ہو کر اپنے مسائل زندگی حل کر سکیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کا یوں ذکر کرتے ہیں:

"کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انھیں کے جگر میں

کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

دلِ مردہ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرہ لاتذر میں

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے"[2]

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ص:429

[2] کلیاتِ اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ص:429

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عرب کے صحرا نشینوں کا کیا خوب نقشہ کھینچا ہے اور امتِ مسلمہ کو دعوتِ فکر دی ہے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی خوبیوں کو کس خوبصورتی کے ساتھ برتا ہے کہ عرب کے ان صحرا نشینوں کے نزدیک موت ایک نئی زندگی کا نام ہے اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کامل ایمان والے تھے اس ایمانی دولت کی بنا پر وہ فاتح جہاں بنے اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس ایمان کی رب سے دعا مانگتا ہے۔

# باب دوم:

# اقبال کے اردو کلام میں تذکرہِ خلفائے راشدین

## فصل اول:

## اسلام میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

## فصل دوم:

## اقبال کے اردو کلام میں تذکرہِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

# فصل اول:

# اسلام میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

# اسلام میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اسلام کے ایسے تابندہ و جاوید ستارے ہیں کہ جن کی ہر سمت سے ہدایت کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔انھوں نے نہ صرف اسلام کے خلاف کی جانے والی ہر قسم کی سازشوں کا قلع قمع کیا بلکہ اسلام کی ترویج و اشاعت میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کیا۔سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ تک تمام خلفائے راشدین نے اسلام کے قلعے کو مضبوط بنانے، امت مسلمہ کو متحد رکھنے اور باطل گروہوں اور باطل رسومات کو روکنے میں ایسا قوی اور اہم کردار ادا کیا کہ جس کی مثال اہلِ مغرب اور دنیاوی امرا و سلاطین میں کہیں نھیں ملتی۔

## حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تعارف:

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پہلے خلیفہِ راشد ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال باکمال کے بعد ثقیفہ بنو ساعدہ میں مہاجرین و انصار کی مشاورت ہو رہی تھی کہ مستقبل کے حالات و مسائل کے لیے کس کو خلیفہ یا لیڈر تسلیم کیا جائے، ایسی نازک صورت حال میں فتنہ و فساد کا شدید خطرہ تھا، آپ رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے اور معاملہ کو سنبھالا، اس مشورے اور میٹنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ مہاجرین و انصار نے متفقہ طور پر آپ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کا خلیفہ اول مان لیا اور یوں فتنہ و فساد کا پہلا باب پر امن طریقے سے بند کر دیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام اور شجرہ نسب ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

"اسمه:عَبْدُاللهِ،وَيُقَالُ:عَتِيْق بِنْ أَبِيْ قُحَافَة عُثْمانُ بْنُ عَامِرِ بْنِ عَمْروبْنُ كَعْب بن سعد بن تيم بن مُرّة بن كعب بن لُؤَيّ القُرَشِيّ التّيميّ-روى عن النبیﷺ؛ قال ابن أبی مُليكة وغيره:اِنّما كَانَ عَتِيق لَقَبًا لَهُ-وَ عَنْ عَائِشَةُ قَالَتْ: اِسْمُهُ الَّذِیْ سمّاه أَهْلُهُ به: عَبْدُاللهِ ،و لَكِنْ غَلَبَ عَلَيْهِ: عَتِيْق- وَقَالَ اِبْنُ مَعِيْن:لَقَبَهُ عَتِيْق لِأَنَّ وَجْهُهُ كَانَ جَمِيْلًا ،وَ كَذَا قَالَ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ-"[1]

ترجمہ:ان (صدیق رضی اللہ عنہ) کا نام عبد اللہ ہے اور عتیق بن ابو قحافہ کہا جاتا ہے (آپ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی کا نام) عثمان رضی اللہ عنہ بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا جاتا ہے، ابن ملیکہ وغیرہ کہتے ہیں کہ عتیق ان کا لقب تھا۔اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی جاتی ہے کہ ان کا نام ان کے گھر

[1] ذھبی، شمس الدین، محمد بن احمد بن عثمان، **سیر اعلام النبلاء**، (مکتبہ توفیقیہ، قاہرہ، مصر، طبع سادس، 2008م)، 1/415

والوں نے عبد اللہ رکھا لیکن ان کا لقب عتیق زیادہ مشہور تھا اور ابنِ معین کہتے ہیں کہ ان کا لقب عتیق تھا کہ کیونکہ ان کا چہرہ خوبصورت تھا، اور لیث بن سعد نے بھی یہی کہا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو خندہ پیشانی سے نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کے نتیجے میں آنے والی ہر قسم کی مشکلات کو وسعتِ قلبی سے برداشت کیا۔ شروع میں خاندان والوں کی مخالفت اور بعد ازاں کفارِ قریش کی مخالفت اور اذیتیں بھی آپ رضی اللہ عنہ کی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبتِ اسلام کو ڈگمگا نہیں سکیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کے اولین مسلمان ہونے کو حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے:

((حَدَّثَنَا أَحْمَدُبْنُ أَبِيْ الطَّيبِ، حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ مُجَاهِدٍ، حَدَّثَنَا بَيَانُ بْنُ بِشْرٍ عَنْ وَبَرَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمَنِ عَنْ هَمَّامٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّاراً يَقُوْلُ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَمَا مَعَهُ اِلَّا خَمْسَةُ أَعْبُدٍ وَامْرَأَتَانِ وَ أَبُوْ بَكْرٍ))[1]

ترجمہ: ہم سے احمد بن طیب نے بیان کیا کہا ہم سے اسماعیل بن ابی مجاہد نے بیان کیا، ان سے بیان بن بشر نے کہا، ان سے وبرہ بن عبد الرحمٰن نے، ان سے ہمام نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دیکھا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (اسلام لانے والوں میں صرف) پانچ غلام، دو عورتوں اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

مذکورہ بالا حدیث اور کتب حدیث و سیرت کی دیگر کتب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بالغ مردوں میں پہلے شخص تھے جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔

## قرآن مجید کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ:

**اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:**

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾[2]

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، 5/5، ح:3660

[2] سورۃ التوبہ: 9/40

اگر تم اِس (نبی) کی مدد نھیں کروگے تو اللہ اِن کی مدد فرما چکا ہے جب کافروں نے اِنھیں (اِن کے وطن سے) نکال دیا تھا جب کہ یہ دو میں سے دوسرے تھے، جب دونوں غار میں تھے، جب یہ اپنے ساتھی سے فرمارہے تھے غم نہ کرو، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اُس پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور اُن لشکروں کے ساتھ اُس کی مدد فرمائی جو تم نے نہ دیکھے۔

**ایک اور آیۃِ کریمہ میں ہے:**

﴿وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور وہ جو سچ لے کر تشریف لائے اور جنھوں نے ان کی تصدیق کی یہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

**ایک اور مقام پہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:**

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَ کَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیْمًا﴾[2]

ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانے تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

**مذکورہ بالا تمام آیات سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و مرتبہ ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ واحد صحابی رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کی صحابیت قرآن پاک سے ثابت ہے اور آپ کی صحابیت کا انکار کرنے والا قرآن پاک کا منکر ہے اور منکر قرآن دائرہ اسلام سے خارج ہے۔**

## احادیثِ مبارکہ کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ:

**سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہ صرف خلیفہ اول تھے بلکہ وہ حضور ﷺ کے محبوب ترین ساتھی اور سسر بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں رسول اللہ ﷺ کے متعدد ارشادِ گرامی موجود ہیں جن کو پڑھنے کے بعد مسلمان کے دل میں آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق محبت، ادب اور احترام کے جذبات واضح طور پر اجاگر ہو جاتے ہیں۔ چند ارشادات کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:**

((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ،حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِیْ بَکْرٍ قَالَ:قُلْتُ لِلنَّبِیِّ ﷺ وَ أَنَا فِی الْغَارِ:لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ تَحْتَ قَدَمَیْهِ لَأَبْصَرَنَا فَقَالَ :(مَا ظَنُّکَ یَا أَبَا بَکْرٍ بِاثْنَیْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا))[3]

---

[1] سورۃ الذمر:39/33

[2] سورۃ النساء:4/69-70

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، 5/4،ح3653

ترجمہ: ہم سے محمد بن سنان نے بیان کیا، کہا ہم سے ہمام نے بیان کیا، ان سے ثابت نے، ان سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اور ان سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب ہم غار ثور میں چھپے تھے تو میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر مشرکین کے کسی آدمی نے اپنے قدموں پر نظر ڈالی تو وہ ضرور ہمیں دیکھ لے گا۔ اس پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ؛اے ابو بکر ان دو کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔

**ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ:**

((حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِاللهِ،حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ عَنْ يَحىَ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ:كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِﷺ فَنُخَيِّرُ أَبَا بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ثُمَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ۔))[1]

ترجمہ: ہم سے عبد العزیز بن عبد اللہ نے بیان کیا کہا ہم سے سلیمان نے بیان کیا، ان سے یحیٰ بن سعید نے، ان سے نافع نے اور ان سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب ہمیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان انتخاب کے لیے کہا جاتا تو سب میں افضل اور بہتر ہم ابو بکر کو قرار دیتے، پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو، پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو۔

**ترمذی شریف میں حدیثِ مبارکہ ہے:**

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ:قَالَ رُسُوْلُ اللهِﷺ مَالِأَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ اِلّا وَقَدْ كَا فَأْنَا مَا خَلَا أَبَابَكْرٍ فَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا يَدًا يُكَافِئُهُ اللهُ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ،وَمَا نَفَعَنِيْ مَالُ أَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِيْ مَالُ أَبِيْ بَكْرٍ،وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاَتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا أَلَا وَاِنَّ صَا حِبَكُمْ خَلِيْلُ اللهِ۔))[2]

ترجمہ: روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کا احسان مجھ پر ایسا نہیں جس کا بدلہ ہم نے نہ کر دیا ہو سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کہ ان کا احسان جو ہم پر ہے اس کا بدلہ ان کو اللہ قیامت کے دن دے گا اور اتنا نفع مجھ کو کسی کے مال نے نہ دیا جتنا نفع پایا میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مال سے اور اگر میں دوست بناتا کسی کو تو دوست بناتا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آگاہ ہو کہ تمہارے صاحب اللہ کا دوست ہے۔

**ترمذی شریف میں ایک اور حدیثِ مبارکہ ہے کہ**

((عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ،اقْتَدَوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِى أَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ))[3]

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم 5/ 4، ح:3655

[2] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، **جامع ترمذی**، **کتاب المناقب**، 6/ 42، ح3661

[3] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، **جامع ترمذی**، **کتاب المناقب**، **ص6/ 43، ح3662**

ترجمہ: روایت ہے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اقتدا کرو میرے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ ثابت ہوتا ہے، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں آپ کے مقام کے قائل تھے اور رسول اللہ ﷺ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اموال میں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مال نے فائدہ دیا اور رسول اللہ ﷺ کا کوئی خلیل ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ ہی ہوتے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کا اشارہ فرما دیا تھا۔

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تعارف:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات بھی انتہائی عظمت و شان کا پیکر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ چالیسویں مسلمان ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے جس طرح کفر پر شدید تھے اسی طرح اسلام لانے کے بعد اسلام پر اس سے بھی زیادہ قوی اور پختہ ہوگئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد نہ صرف اپنے اسلام کا سرعام اعلان کیا بلکہ مسلمانوں کو اعلانیہ عبادات کرنے پر بھی تعاون کیا۔ ذیل میں آپ رضی اللہ عنہ کا تعارف ذکر کیا جاتا ہے:

"عُمَرُبْنُ الخَطَّابِ بْنِ نُفَيْلِ بْنِ عَبْدُالعُزَّی بْنِ رِيَاعِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ قُرْطِ بْنِ رَزَاعِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيِّ الْقُرِشِيْ العُدْوِی ،اَبُو حَفْصٍ۔وَ أُمُّهُ حَنْتَمَةُ بِنْتِ هَاشِمِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ عَبْدَاللهِ بْنِ عُمَرَبْنِ مَخْزُوْمِ ۔ "[1]

ترجمہ: (آپ رضی اللہ عنہ کا نام) عمر (رضی اللہ عنہ) بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزی بن ریاع بن عبد اللہ بن قرط بن رزاع بن عدی بن کعب بن لوی القرشی العدوی، (کنیت) ابو حفص اور ان کی ماں حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم ہیں۔

## قرآن کریم کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ:

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ مرادِ رسول ﷺ تھے اور اسلام لانے کے بعد اسلام پر سختی سے کاربند تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کی رائے اتنی معتبر تھی کہ بعض دفعہ ایسا ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کسی بات میں مشورہ دیتے تو آپ رضی اللہ عنہ کے مشورے کے مطابق قرآن پاک کی آیات نازل ہو جاتیں مثلاً پردہ سے متعلق آیت، مقامِ

---

[1] ابن اثیر، ابو الحسن، علی بن محمد، **اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ**، (مکتبہ دار ابن حزم، بیروت، لبنان، طبع اول، 2012م)، ص:897

ابراہیم کو جائے سجدہ بنانے کی آیت اور بدری قیدیوں سے متعلق احکامات وغیرہ۔ آپ کی شان کے متعلق قرآن پاک نے بھی اشارے فرمائے ہیں جن میں سے ایک کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾[1]

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں (اور) آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں۔ تم اُنھیں دیکھو گے کہ کبھی رُکوع میں ہیں کبھی سجدے میں (غرض) اللہ کے فضل اور خوشنودی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ اُن کی علامتیں سجدے کے اثر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ہیں اُن کے وہ اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں۔ اور اِنجیل میں اُن کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اُس کو مضبوط کیا پھر وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر اس طرح سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کاشتکار اُس سے خوش ہوتے ہیں تاکہ اللہ ان (کی اس ترقی) سے کافروں کا دل جلائے۔ یہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور انھوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور زبردست ثواب کا وعدہ کر لیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد آیاتِ کریمہ ہیں جن کا نزول، مفسرین کی رائے کے مطابق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شان میں ہوا۔

## آپ رضی اللہ عنہ کی رائے پر آیاتِ قرآنیہ کا نزول:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقوں نے بہتان لگایا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مشورہ فرمایا۔ آپ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کا اُن سے نکاح کس نے کیا تھا؟ حضورِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے! اس پر آپ نے عرض کی، کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ کے رب نے آپ سے اُن کے عیب کو چھپایا ہوگا، بہ خدا عائشہ رضی اللہ عنہا پر عظیم بہتان ہے۔

اسی طرح آیت نازل ہوئی:

---

[1] سورۃ الفتح: 29/48

﴿سُبۡحٰنَکَ ھٰذَا بُھۡتَان عَظِیۡم﴾[1]

ترجمہ: پاک ہے تیری ذات یہ بڑا ہی عظیم بہتان ہے۔

شروعِ اسلام میں رمضان شریف کی رات میں بھی بیوی سے قربت منع تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں کچھ عرض کیا۔ اس کے بعد شب میں مجامعت کو جائز قرار دے دیا گیا۔

﴿اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَائِکُمۡ۔﴾[2]

ترجمہ: حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے۔

منافق نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کروانا چاہا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس منافق کا سر قلم کرنے کے بعد فرمایا کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر اعتماد نہ ہو اس کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ ہے، اس پر آپ رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید میں آیت کریمہ نازل ہو گئی:

﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيمًا۔﴾[3]

ترجمہ: تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز سو رہے تھے کہ آپ کا ایک غلام بغیر اجازت لیے اندر چلا آیا۔ اس وقت آپ نے دعا فرمائی، الٰہی! بغیر اجازت گھروں میں داخل ہونا حرام فرما دے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لاَ تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا ﴾[4]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ لے لو۔

اسی طرح دیگر متعدد آیاتِ کریمہ ہیں جو سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں۔ مذکورہ بالا تمام آیات سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اللہ رب العزت کے ہاں قدر و منزلت پتہ چلتی ہے۔

---

[1] سورۃ النور: 16/24

[2] سورۃ البقرۃ: 187/2

[2]سورۃ النساء: 64/4

[4] سورۃ النور: 27/24

### احادیثِ مبارکہ کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے لیے دعا فرمائی تھی جس کو شرفِ قبولیت بخشا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ چالیسویں نمبر پر اسلام قبول کرنے والے بن گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اسلام پر سختی سے کاربند تھے اور اسلامی احکامات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں وہ مقام حاصل کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محدث فرمایا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنانِ دین سے محفوظ رکھنے کی بھی سعی کرتے رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث ہیں جن میں چند احادیث کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ االلهِ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ : أَللّٰهُمَّ أعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْکَ بِأَبِيْ جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ قَالَ : وَکَانَ أَحَبَّهُمَا إِلَيْهِ عُمَرُ))[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ! تو ابو جہل یا عمر بن خطاب دونوں میں سے اپنے ایک پسندیدہ بندے کے ذریعے اسلام کو غلبہ اور عزت عطا فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ ان دونوں میں اللہ کو محبوب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے جن کے بارے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا قبول ہوئی اور آپ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

**ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ہے:**

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:لَمَّا أَسْلَمَ عُمَرُ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فَقَالَ:يَا مُحَمَّدُ! لَقَدْ إِسْتَبْشَرَ أَهْلُ السَّمَاءِ بِإِسْلَامِ عُمَرَ))[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تحقیق اہلِ آسمان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوشی منائی ہے (اور مبارکبادیاں دی ہیں)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

**ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ہے:**

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ االلهِ صلى الله عليه وآله وسلم : لَقَدْ کَانَ فِيْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الأَمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَإِنْ يَکُ فِي أَمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ. و زَادَ ذكر يَاءُ بْنُ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ سَعْدٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم : لَقَدْ کَانَ فِيمَنْ کَانَ

[1] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، **جامع ترمذی، کتاب المناقب، ص6/56، ح3681**

[2] ابن ماجہ، ابو عبد اللہ بن یزید، **سنن ابن ماجہ**، کتاب المقدمہ، باب فضل عمر، (دار الحضارة للنشر والتوزیع الریاض، طبع دوم، 2015م)، ص:22 حدیث نمبر 103

قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ رِجَالٌ يُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَكُوْنُوْا أَنْبِيَاءَ فَإِنْ يَكُنْ مِنْ أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَعُمَرُ))[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں محدّث ہوا کرتے تھے اگر میری امت میں کوئی محدّث ہے تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ ذکریا بن ابی زائدہ نے سعد سے اور انھوں نے ابی سلمہ سے انھوں نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ زیادہ روایت کیے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے لوگوں یعنی بنی اسرائیل میں ایسے لوگ بھی ہوا کرتے تھے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام فرماتا تھا حالاں کہ وہ نبی نہ تھے۔ اگر ان جیسا میری امت کے اندر کوئی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد درجہ حاصل ہے اور آپ دونوں رضی اللہ عنہما کے لیے شیخین کا لفظ بولا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کی ترویج میں ایسی گراں قدر خدمات سرانجام دیں کہ جن کی مثال دینا محال ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح یہ شرف حاصل ہے کہ جس طرح آپ رضی اللہ عنہ کو دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نصیب ہوئی وصال کے بعد بھی آپ رضی اللہ عنہ کو معیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہے۔

## حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تعارف:

خلافت راشدہ کی کڑی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ شرم وحیا کے پیکر تھے ،متعدد بار غزوات اور دیگر مقاصد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر مال کثیر صدقہ کرنے پر آپ رضی اللہ عنہ کو زندگی میں ہی جنت کی بشارت مل چکی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ رضی اللہ عنہ کی ذات بہت نمایاں اور عمدہ صفات کی حامل ہے۔

"عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانِ بْنِ أَبِي الْعَاصِ بْنِ أُمَيَّةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ اِبْنِ قُصَّي الْقُرَشِيِّ الْاَمَوِيِّ ،يَكْنِيْ اَبَا عَبْدِاللهِ وَاَبَاعَمْرٍو،كُنِيَّتَانَ مَشْهُوْرَتَانِ لَهٗ وَ اَبُوْ عَمْرٍو اَشْهُرُهُمَا ۔ وُلِدَ فِي السَّنَةِ السَّادِسَةِ بَعْدَ الْفِيْلِ،اُمُّهٗ اُرْوَى بِنْتُ كُرِيْزِبْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ حَبِيْبِ ابْنِ عَبْدِ شَمْسِ بْنِ عِبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيٍّ ، وَ اُمُّهَا الْبَيْضَاءُ ،وَ بُوْيِعَ لِعُثْمَانَ بِالْخِلَافَةِ يَوْمَ السَّبْتِ،سَنَةَاَرْبَعُ وَّعِشْرِيْنَ بَعْدَ دُفِنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ بِثَلَاثَةِ اِيَّامٍ بِاِجْتِمَاعِ النَّاسِ عَلَيْهِ ۔وَقُتِلَ بِالْمَدِيْنَةِ لِثَمَانِ عَشَرَةَ اَوْ سَبْعِ عَشَرَةَ خُلِتَ مِنْ ذِى الْحَجَّةِ سَنَةَ خَمْسٌ وَّ ثَلَاثِيْنَ مَنَ الْهِجْرَةِ۔"[2]

ترجمہ: (آپ رضی اللہ عنہ کا نام) عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی الاموی، اور آپ رضی اللہ عنہ دو مشہور کنیتیں ابو عبد اللہ اور ابو عمرو دیئے گئے اور ابو عمرو زیادہ مشہور تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ عام الفیل کے چھٹے

---

[1] بخاری، محمد بن اسماعیل، **صحیح بخاری**، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص:3/349، ح3486

[2] ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، (مکتبہ دار الجیل، بیروت، طبع اول، 1992م)، ص:1037-1038-1044

سال بعد پیدا ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھیں، اور آپ رضی اللہ عنہ چوبیس ہجری کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین دن بعد عام لوگوں کی طرف سے بیعت لی گئی۔ آپ رضی اللہ عنہ پینتیس ہجری کو دس ذوالحجہ یا سترہ ذوالحجہ کو شہید کیے گئے۔

## قرآنِ کریم کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ:

سن چھ ہجری میں واقعہ حدیبیہ کے موقع پر یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی تھے جنھوں نے سفارت کے فرائض انجام دیے اور اپنی جان کی پروا کیے بغیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قریش مکہ تک پہنچایا۔ اسی موقع پر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ پھیلی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص پر بیعت لی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لے رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں دستِ مبارک کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا۔ اسی بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿لَقَدْ رَضِیَ االلہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ.﴾[1]

ترجمہ: اللہ یقیناً اُن مؤمنین سے راضی ہو گیا جنھوں نے درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

## احادیثِ مبارکہ کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات کے متعلق متعدد ارشادات ہیں جن سے آپ رضی اللہ عنہ کی شان و عظمت کا پتہ چلتا ہے، چند احادیثِ مبارکہ کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ وَ رَفِیْقِیْ یَعْنِی فِی الْجَنَّۃِ عُثْمَانُ.))[2]

ترجمہ: ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور جنت میں میرا رفیق عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کمال درجہ کی صفت حیا سے متصف تھے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہ کے مزاج وطبیعت کا خصوصی لحاظ فرمایا کرتے تھے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

((عَنْ عَطَاء وَسُلَیْمَانَ ابْنَیْ یَسَارٍ وَأَبِی سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم مُضْطَجِعًا فِی بَیْتِی کَاشِفًا عَنْ فَخِذَیْهِ أَوْ سَاقَیْهِ فَاسْتَأْذَنَ أَبُو بَکْرٍ فَأَذِنَ لَهُ وَهُوَ عَلَی تِلْکَ الْحَالِ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ عُمَرُ فَأَذِنَ لَهُ وَهُوَ کَذَلِکَ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ

---

[1] سورۃ الفتح: 18/48

[2] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، کتاب المناقب، ص6/67-68، ح3698

اسْتَأْذَنَ عُثْمَان فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَسَوَّى ثِيَابَهُ قَالَ مُحَمَّدٌ وَلاَ أَقُولُ ذَلِکَ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ ۔ فَدَخَلَ فَتَحَدَّثَ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَتْ عَائِشَةُ دَخَلَ أَبُو بَکْرٍ فَلَمْ تَهْتَشَّ لَهُ وَلَمْ تُبَالِهِ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَلَمْ تَهْتَشَّ لَهُ وَلَمْ تُبَالِهِ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ فَجَلَسْتَ وَسَوَّيْتَ ثِيَابَکَ فَقَالَ : أَلاَ أَسْتَحِي مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحِي مِنْهُ الْمَلاَئِکَةُ.))[1]

ترجمہ : حضرت عطا بن یسار، حضرت سلیمان بن یسار اور حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا: حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانۂ اقدس میں استراحت فرماتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانوے اقدس یا اپنی پنڈلی مبارک سے زائد کپڑا ہٹا ہوا تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسی حالت میں اجازت عطا فرمائی، انھوں نے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسی حالت میں اجازت عطا فرمائی، انھوں نے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی تو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور اپنے کپڑے درست فرما لیے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معروضہ کیا، جب وہ چلے گئے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے نہ تو حرکت کی اور نہ ان کے لیے اہتمام کیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، آپ نے ان کے لیے نہ تو حرکت کی اور نہ ان کے لیے اہتمام کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو آپ تشریف فرما ہوئے اور اپنے کپڑے درست کیے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اس شخص سے حیا کیوں نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

**ایک اور روایت میں مذکورہ بالا واقع سے متعلق ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:**

((إِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيِيٌّ وَإِنِّي خَشِيتُ إِنْ أَذِنْتُ لَهُ عَلَى تِلْکَ الْحَالِ أَنْ لاَ يَبْلُغَ إِلَيَّ فِي حَاجَتِهِ.))[2]

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) حیادار ہیں، مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے اُنھیں اسی حالت میں اجازت دے دی تو وہ حیا کے باعث میرے پاس اپنی ضرورت کو پیش نہ کر سکیں گے۔

**اللہ تعالی نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو امت کے لیے ہدایت کا معیار قرار دیا، جب بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو ایمانی تقاضہ یہ ہے کہ ان کا دفاع کر کے اپنی محبت ووابستگی کا ثبوت دیں۔**

**صحیح بخاری شریف میں حدیث شریف ہے:**

---

[1] مسلم، مسلم بن حجاج، ابو الحسن نیشاپوری (امام)، **مسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل عن رسول صلی اللہ علیہ وسلم**، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، (مکتبہ دار طیبہ للنشر والتوزیع، ریاض، سعودی عرب، طبع اول 2006م)، ص 7/116 حدیث نمبر، 6362

[2] صحیح مسلم، **کتاب فضائل الصحابۃ**، باب من فضائل عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ. ص 7/116 ح، 6363

((روی عُثْمَانُ ابْنُ مَوْہَبٍ ۔ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مَنْ أَہْلِ مِصْرَ حَجَّ الْبَيْتَ فَرَأَى قَوْمًا جُلُوسًا ، فَقَالَ مَنْ هَؤُلاَءِ الْقَوْمُ قَالَ هَؤُلاَءِ قُرَيْشٌ۔ قَالَ فَمَنِ الشَّيْخُ فِيهِمْ قَالُوا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ۔قَالَ يَا ابْنَ عُمَرَ إِنِّى سَائِلُکَ عَنْ شَىْءٍ فَحَدِّثْنِى هَلْ تَعْلَمُ أَنَّ عُثْمَانَ فَرَّ يَوْمَ أُحُدٍ قَالَ نَعَمْ . قَالَ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَدْرٍ وَلَمْ يَشْهَدْ قَالَ نَعَمْ . قَالَ تَعْلَمُ أَنَّهُ تَغَيَّبَ عَنْ بَيْعَةِ الرُّضْوَانِ فَلَمْ يَشْهَدْہَا قَالَ نَعَمْ . قَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ . قَالَ ابْنُ عُمَرَ تَعَالَ أُبَيِّنْ لَکَ أَمَّا فِرَارُهُ يَوْمَ أُحُدٍ فَأَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ عَفَا عَنْهُ وَغَفَرَ لَهُ ، وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَدْرٍ ، فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَكَانَتْ مَرِيضَةً فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِنَّ لَکَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَہِدَ بَدْرًا وَسَہْمَهُ وَأَمَّا تَغَيُّبُهُ عَنْ بَيْعَةِ الرُّضْوَانِ فَلَوْ كَانَ أَحَدٌ أَعَزَّ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ عُثْمَانَ لَبَعَثَهُ مَكَانَهُ فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عُثْمَانَ وَكَانَتْ بَيْعَةُ الرُّضْوَانِ بَعْدَ مَا ذَہَبَ عُثْمَانُ إِلَى مَكَّةَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم بِيَدِهِ الْيُمْنَى ہَذِهِ يَدُ عُثْمَانَ. فَضَرَبَ بِہَا عَلَى يَدِهِ ، فَقَالَ ہَذِهِ لِعُثْمَانَ. فَقَالَ لَهُ ابْنُ عُمَرَ اذْہَبْ بِہَا الآنَ مَعَکَ))[1]

ترجمہ: حضرت عثمان بن موہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: ایک مصری شخص حج بیت اللہ کے ارادہ سے آیا تو اس مصری شخص نے چند بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھا اور پوچھا کہ یہ کس قبیلہ کے ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ اکابر قریش ہیں پھر اس شخص نے پوچھا: ان کے سردار کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس نے کہا: اے ابن عمر رضی اللہ عنہما! میں آپ سے چند چیزوں کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں آپ مجھے بیان کریں! کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوۂ احد کے دن موجود نھیں تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس نے سوال کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں موجود نھیں تھے اور اس میں شرکت نھیں کی؟ آپ نے فرمایا: ہاں، پھر اس نے پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیعتِ رضوان کے موقع پر موجود نھیں تھے اور اس میں شرکت نھیں کی؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس نے کہا: اللہ اکبر! حضرت عبد اللہ بن رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آؤ، میں تمھیں حقیقت بیان کرتا ہوں: اب رہا آپ کا غزوۂ احد کے دن موجود نہ ہونا تو میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے انھیں درگزر فرمادیا اور ان کی مغفرت فرمادی۔ اب رہا آپ کا غزوۂ بدر میں موجود نہ رہنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے عقد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادی تھیں اور وہ بیمار تھیں تو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم فرمایا کہ بیشک تمھیں وہی ثواب اور حصہ ہے جو بدر میں شریک ہونے والے آدمی کے لیے ہے۔ اب رہا آپ کا بیعت رضوان کے وقت موجود نہ رہنا تو اگر کوئی وادئ مکہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ عزت وغلبہ والا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو اسلام کا سفیر بنا کر روانہ فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو روانہ فرمایا تھا اور بیعت رضوان تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکہ مکرمہ روانہ ہونے کے بعد ہوئی اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے دست مبارک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اور اسے اپنے بائیں دست مبارک پر رکھ

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص:5/ 15، حدیث نمبر 3698

کر فرمایا: یہ بیعت عثمان رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے۔ پھر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سوال کرنے والے شخص سے فرمایا: اب ان حقائق کو اپنے ساتھ (بحفاظت) لے جاؤ!

**حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنت کی اس عمومی بشارت کے باوصف خصوصی بشارت سے بھی سرفراز فرمائے گئے، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے:**

((عَنْ اَنَسٍ قَالَ: جَاءَ النَّبِيُّ صَلَی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ إِلٰى بُسْتَانٍ فَأَتٰى آتٍ فَدَقَّ الْبَابَ، فَقَالَ: يَا أَنَسُ! قُمْ فَافْتَحْ لَهُ الْبَابَ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ وَالْخِلَافَةِ مَنْ بَعْدِیْ، قُلْتُ: يَا رُسُوْلَ اللهِ! أُعْلِمُهُ؟ فَقَالَ: أَعْلِمْهُ، فَخَرَجْتُ فَإِذَا أَبُوْ بَكْرٍ، قُلْتُ لَهُ: أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ وَأَبْشِرْ بِالْخَلَافَةِ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ جَاءَ آتٍ فَدَقَّ الْبَابَ، فَقَالَ: يَا أَنَسُ! قُمْ فَافْتَحْ لَهُ الْبَابَ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ وَبِالْخَلَافَةِ مِنْ بَعْدِ أَبِیْ بَكْرٍ قُلْتُ: يَا رُسُوْلَ اللهِ! أُعْلِمُهُ؟ فَقَالَ: أَعْلِمْهُ، فَخَرَجْتُ فَإِذَا عُمَرُ، فَقُلْتُ: أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ وَأَبْشِرْ بِالْخِلَافَةِ مِنْ بَعْدِ أَبِیْ بَكْرٍ، ثُمَّ جَاءَ آتٍ فَدَقَّ الْبَابَ، فَقَالَ: يَا أَنَسُ! قُمْ فَافْتَحْ لَهُ الْبَابُ وَبَشِرْهُ بِالْجَنَّةِ وَبِالْخِلَافَةِ مِنْ بَعْدِ عُمَرَ وَاَنَّهٗ مَقْتُوْلٌ، فَخَرَجْتُ فَإِذَا عُثْمَانُ، قُلْتُ: أَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ وَبِالْخَلَافَةِ مِنْ بَعْدِ عُمَرَ وَأَنَّکَ مَقْتُوْلٌ، فَدَخَلَ عَلٰى النَّبِيِّ صَلَی اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رُسُوْلَ اللهِ! وَاللهِ مَا تَغَنَّيْتُ وَلَا تَمَنَّيْتُ وَلَامَسِسْتُ ذَكَرِیْ بِيَمِيْنِیْ مُنْذُ بَايَعْتُکَ بِهَا، قَالَ: هُوَ ذَاکَ يَا عُثْمَانُ))[1]

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے اور ایک باغ میں تشریف لے گئے، ایک صاحب حاضر ہوئے اور دروازہ پر دستک دی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے انس! اٹھو، اور ان کے لیے دروازہ کھول دو اور انھیں جنت کی اور میرے بعد خلافت کی بشارت سنادو! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں انھیں یہ بات بتادوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں انھیں بتلادو! جب میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں میں نے ان سے کہا آپ کے لیے جنت کی خوشخبری ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کی خوشخبری ہے۔ پھر ایک صاحب حاضر ہوئے اور دروازہ پر دستک دی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے انس! اٹھو، اور ان کے لیے دروازہ کھول دو اور انھیں جنت کی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کی بشارت سنادو! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں انھیں یہ بات بتادوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں انھیں بتلادو! جب میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں میں نے کہا: آپ کے لیے جنت کی خوشخبری ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کی خوشخبری ہے۔ پھر ایک صاحب حاضر ہوئے اور دروازہ پر دستک دی حضور اکر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے انس! اٹھو، اور ان کے لیے دروازہ کھول دو اور انھیں جنت کی اور عمر رضی اللہ عنہ بعد خلافت کی

[1] ہندی، علامہ، علاءالدین علی متقی، **کنز العمال**، فضائل ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، (مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، شارع سوریا، طبع خامس، 1985م)، ص: 13/66-67 حدیث نمبر: 36267

بشارت سنادو! اور یہ بھی بشارت سنادو کہ وہ شہید ہونے والے ہیں جب میں باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں میں نے کہا: آپ کے لیے جنت کی خوشخبری ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کی خوشخبری ہے اور یہ بشارت بھی ہے کہ آپ شہید کیے جائیں گے۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم! میں نے کبھی گانا نہیں گایا اور نہ کبھی بے حیائی کا کام کیا اور جس وقت سے میں نے اپنے سیدھے ہاتھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ہے کبھی اس سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عثمان! یہی وجہ ہے کہ تمہیں یہ درجات ملے ہیں۔

## حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تعارف

**حضرت علی المرتضیٰ چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کو دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف حاصل ہے، حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی ہیں۔ بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بچوں میں سب سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاون کرنے کی بھرپور کوشش کی۔**

"وَاِسْمُهُ عَلِيُ بْنُ أَبِيْ طَالِبِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ،وَيُكْنِى عَلِيٌّ أَبَا الحَسَنِ ،وَأُمُّهُ فَاطَمَةُ بِنْتُ أَسَدِبْنِ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيٍّ-وَ كَانَ لَهُ مِنَ الْوَلَدِ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ وَزَيْنَبَ الْكُبْرٰى وَاُمِّ كَلْثُوْمِ الْكُبْرٰى،وَاُمُّهُمْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رُسُوْلِ اللهِ ﷺ،وَمُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ الْاَكْبَرِ وَهُوَابْنُ الْحَنَفِيَّةِ وَاُمُّهُ خَوْلَةُ بِنْتُ جَعْفَرِ بْنِ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمَةِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ يَرْبُوْعِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ الْدُوَلِ بْنِ حَنِيْفَةِ بْنِ لَجِيْمِ بْنِ صَعْبِ بْنِ عَلِيِّ ابْنِ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ-وَعَبْدُاللهِ بْنُ عَلِيٍّ قَتَلَهُ الْمُخْتَارُ بْنُ اَبِيْ عُبَيْدٍ بِالْمَذَارِ،وَاَبُوْبَكْرِ بْنِ عَلِيِ قُتِلَ مَعَ الْحُسَيْنِ وَلَاعَقَبَ لَهُمَا،وَاُمُّهُمَا لَيْلٰى بِنْتُ مُسْعُوْدِ بْنِ خَالِدِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ ربعِي ابْنِ سَلْمَى بْنِ جَنْدَلِ بْنِ نَهْشَلَ بْنِ دَارِمِ بْنِ مَالِكِ بْنِ مَالِكِ بْنِ زَيْدٍ مَنَاةِ ابْنِ تَمِيْمٍ-"[1]

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ کا نام علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب بن عبد المطلب ہے، اور ابو الحسن کنیت دیے گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی ہیں۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم کبریٰ رضی اللہ عنہا شامل ہیں اور ان سب کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور (آپ رضی اللہ عنہ کی دیگر اولاد میں سے) محمد بن علی الاکبر ہیں اور وہ ہی ابن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ان کی ماں خولہ بنت جعفر بن قیس بن مسلمہ بن ثعلبہ بن یربوع بن ثعلبہ بن دول بن حنفیہ بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل ہیں اور (دوسرے بیٹے) عبد اللہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کو مختار بن ابو عبید نے شہید کیا اور (تیسرے) ابو بکر بن علی (یہ) امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے اور ان دونوں (موخر الذکر) کی اولاد نہیں تھی۔

---

[1] زھری، محمد بن سعد بن منیع، **الطبقات کبیر (طبقات ابن سعد)**، م (کتبۃ خانجی قاھرہ، ایران، طبع اول، 2001م)، ص:3/17-18

## قرآن کریم کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ:

قرآن کریم میں اہلِ بیت کی شان میں متعدد آیات نازل ہوئی ہیں جن میں ان کے سید و آقا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اُن میں سے بعض آیات یہ ہیں:

﴿ذَلِکَ الَّذِی یُبَشِّرُاللّٰہُ عِبَادَہُ الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لاَ اَسْاَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًاإِلاَّالْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبَی وَمَنْ یَقْتَرِفْ حَسَنَۃً نَزِدْ لَہُ فِیہَاحُسْنًاإِنَّ اللّٰہَ غَفُورٌشَکُورٌ۔ ﴾[1]

ترجمہ: بھی وہ فضل عظیم ہے جس کی بشارت پروردگار اپنے بندوں کو دیتا ہے جنھوں نے ایمان اختیار کیا ہے اور نیک اعمال کیے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نھیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو اور جو شخص بھی کوئی نیکی حاصل کرے گا ہم اس کی نیکی میں اضافہ کر دیں گے کہ بیشک اللہ بہت زیادہ بخشنے والا اور قدر داں ہے۔

دوسری جگہ خداوند عالم کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ حَاجَّکَ فِیہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَائَکَ مِنْ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْانَدْعُ اَبْنَائَنَاوَاَبْنَائَکُمْ وَنِسَائَنَاوَنِسَائَکُمْ وَاَنْفُسَنَاوَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِینَ﴾[2]

ترجمہ: پیغمبر علم آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔

تیسری جگہ خداوند عالم کا فرمان ہے:

﴿إِنَّمَایُرِیدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمْ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیرًا﴾[3]

ترجمہ: بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہلِ بیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

امام جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"حَدَّثَنَا بَشِرٌ، قَالَ:ثَنَا یَزِیدُ،قَالَ :ثَنَاسَعِیْدٌ ،عَنْ قَتَادۃَ قَوْلَہ:﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُاللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ اَلْبَیْتِ و۔یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔﴾[4]فَھُمْ أَھْلُ بِیْتٍ طَھَّرَھُمُ اللّٰہُ مِن السوءِ،و خَصَّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِنْہ۔واِخْتَلَفَ أَھْلُ التأ وِیْلِ فِی الَّذِیْنِ عُنوا بِقَوْلِہ:﴿اَھْلَ اَلْبَیْتِ﴾[5]فَقَالَ بَعْضُھُمْ عُنی بہ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ،وَعَلِیٌّ،وَفاطِمۃُ،وَالْحَسنُ،وَ اَلْحُسَّیْنُ، رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلِیْھِمْ۔"[6]

---

[1] سورۃ شوریٰ:42/23

[2] سورۃ آل عمران:3/61

[3] سورۃ الحزاب:33/33

[4] سورۃ الحزاب:33/33

[5] ایضًا

[6] طبری، جعفر محمد بن جریر، **تفسیر طبری، جامع البیان عن تأویل آی القرآن**،(للطباعۃ والنشر والتوزیع والاعلان، قاھرہ، طبع اول،2001م)،ص:19/101

ترجمہ: حدیث بیان کی ہم کو بشر نے انھوں نے فرمایا کہ حدیث بیان کی ہم کو سعید نے انھوں نے قتادہ سے اللہ رب العزت کا فرمان کہ بے شک اللہ رب العزت ارادہ فرماتا ہے کہ لے جائے تم سے پلیدی کو اے اہلِ بیت اور تم کو پاکیزگی عطا فرمادے۔ پس وہ اہلِ بیت ہیں، پاک کیا ان کو اللہ تعالیٰ نے برائی سے اور ان کو اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر دیا، اور اہلِ تاویل نے اس کے مراد لینے میں اختلاف کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان اہلِ بیت میں، پس بعض نے کہا مراد لیا گیا اس سے رسول اللہ ﷺ اور علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

## احادیثِ مبارکہ کی روسے آپ رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ:

خلیفہ چہارم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے بھائی کا درجہ عطا فرمایا، قرآن پاک میں ذکر کردہ آیتِ تطہیر میں اہلِ بیت میں بھی آپ رضی اللہ عنہ کا شمار کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو آپ رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی اور آپ ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی شان اور فضیلت میں متعدد فرامین ارشاد فرمار کھے ہیں جن میں چند فرامین کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

((حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ،عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًارَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَى يَدَيْهِ قَالَ:فَبَاتَ النَّاسُ يَدُوْكُونَ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطَاهَا فَلَمَّا أَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَرْجُوْ أَنْ يُعْطَاهَا فَقَالَ : "أَيْنَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ" فَقَالُوْا:يَشْتَكِيْ عَيْنَيْهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ:"فَأَرْسِلُوْا اِلَيْهِ فَأْتُوْنِيْ بِه"فَلَمَّا جَاءَ بَصَقَ فِيْ عَيْنَيْهِ وَ دَعَا لَهُ فَبَرَأَ حَتَّى كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ عَلِيٌّ:يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!أُقَاتِلُهُمْ حَتَّى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا فَقَالَ:"اُنْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَ أَخْبِرْهُمْ بِمَايَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيْهِ فَوَاللّٰه،!لَأَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ حُمْرُ النَّعَمِ))[1]

ترجمہ: ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا ہے، کہا ہم سے عبد العزیز نے بیان کیا، ان سے ابو حازم نے اور ان سے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگِ خیبر کے موقع پر بیان فرمایا کہ کل میں ایک ایسے شخص کو اسلامی علم دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عنایت فرمائے گا۔ راوی نے بیان کیا کہ رات کو لوگ یہ سوچتے رہے کہ دیکھیے علم کسے ملتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سب حضرات جو سر کردہ تھے حاضر ہوئے سب کو امید تھی کہ علم انھیں ہی ملے گا لیکن حضور ﷺ نے دریافت فرمایا: علی بن علی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ان کی آنکھ میں درد ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پھر ان کے یہاں کسی کو بھیج کر بلوالو۔ جب وہ آئے تو آں حضرت ﷺ نے ان کی آنکھ میں اپنا لعاب ڈالا اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ اس سے ان کو ایسی شفا حاصل ہوئی جیسے کوئی مرض پہلے تھا ہی نہیں چنانچہ آپ ﷺ نے علم انھی کو عنایت فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں ان سے اتنا لڑوں گا کہ وہ ہمارے جیسے ہو جائیں (یعنی مسلمان بن جائیں) آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی یوں ہی چلتے رہو جب ان کے میدان میں

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، ص:5/ 18، حدیث نمبر 3701

اترو تو پہلے انھیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں بتاؤ کہ اللہ کے ان پر کیا حقوق واجب ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں کی (دولت) سے بہتر ہے۔

**ایک اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث لکھتے ہیں:**

((حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ،حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ اِبْرَاهِيْمَ بْنَ سَعْدٍعَنْ أَبِيْهِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعَلِيٍّ:أَمَا تَرْضَا أَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى۔))[1]

ترجمہ: مجھ سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا ہم سے غندر نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، ان سے سعد نے، انھوں نے ابراہیم بن سعد سے سنا، ان سے ان کے والد نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے حضرت علی المرتضی، شیر خدا رضی اللہ عنہ کی فضیلت واضح ہو رہی ہے، کہ آپ رضی اللہ عنہ کو دو شرف حاصل تھے، پہلا یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ اہلِ بیت اطہار میں شمار ہوتے ہیں اور دوسرا یہ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد اور جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہرست میں ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا دور فتنہ و فساد کا دور تھا، جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کے بل پر حتی الوسع حالات کو قابو پانے کی کوشش کی اور اسلامی حکومت کے نظم و نسق میں خاطر خواہ اضافہ کرنے کی کوشش کی۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، ص:5/19، حدیث نمبر 3706

# فصل دوم:

# اقبال کے اردو کلام میں تذکرہِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

# اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام میں تذکرہِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

## کلامِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

بانگ درا علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کی سب سے زیادہ مشہور کتاب بلکہ ان کی شہرت کا سنگِ بنیاد ہے۔ اس کتاب کی بدولت انھیں لازوال شہرت ملی۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اُردو غزلوں اور نظموں کا یہ دلکش مجموعہ 1924ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ اس میں وہ غزلیں اور نظمیں بھی ہیں جن سے وطن دوستی کا تاثر ملتا ہے اور اس کے ساتھ بعض مشاہیر کا تذکرہ موجود ہے۔ ان میں حضرت ابو بکر صدیق رحمۃ اللہ علیہ پر ایک پوری نظم لکھی ہے۔ اگرچہ اس نظم میں ایک واقعہ کا ذکر ہے لیکن مقصود واقعہ سنانا نھیں، بلکہ اس میں ایک سبق ہے اس نظم میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی منقبت وفضیلت کے ساتھ ساتھ ان کے ایثار و قربانی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایمان افروز واقعہ بیان کیا ہے جو غزوہ تبوک کے موقع پر پیش آیا۔ یہ غزوہ 9 ہجری میں پیش آیا، اس وقت بیشتر مسلمانوں کی مالی حالت اچھی نھیں تھی۔ غربت اور تنگی کا زمانہ تھا اس وقت مسلمانوں کی باقاعدہ تنخواہ دار فوج نھیں تھی۔ جس وقت لڑائی کا موقع آتا تو ہر بالغ مرد جہاد کے لیے کھڑا ہو جاتا۔ جنگِ تبوک کے موقع پر بھی مسلمان جہاد کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر جنگ کے لیے مدینے سے دورِ تبوک تک جانا تھا۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ جنگی اخراجات سفر کی ضروریات اور سامان رسد کے لیے اچھی خاصی رقم کی ضرورت تھی۔ اس موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے اسلامی لشکر کی مالی امداد کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر بہت خوش ہوئے۔ نیکی اور سخاوت و فیاضی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ مثالی طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ حسنِ اتفاق سے اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس خاصی بڑی رقم موجود تھی۔ پھر گھر میں بھی کچھ اثاثہ موجود تھا۔ انھوں نے سوچا کہ آج تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بازی لے جاؤں گا۔ انھوں نے بہت سامال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ حق کے لیے آپ کا جوش وجذبہ قابل قدر ہے مگر مسلمان پر اپنے بال بچوں کا بھی حق ہے۔ گھر میں ان کے لیے بھی کچھ چھوڑ آئے ہو یا نھیں؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا گھر والوں کے لیے نصف مال چھوڑ آیا ہوں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

"ارشاد سُن کر فرطِ طرب سے عمر رضی اللہ عنہ اُٹھے | اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیق سے ضرور | بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار

لائے غرض کہ مال رسول امینؐ کے پاس
ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار

پوچھا حضور سرورِ عالمؐ نے اے عمر
اے وہ کہ جوشِ حق سے تیرے دل کو ہے قرار!

رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تُو نے کیا؟
مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار

کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار"[1]

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں آ پہنچے۔ وہ اپنے ساتھ بہت سا ساز و سامان اور مال و متاع لائے تھے۔ اس میں نقد رقم کے علاوہ گھریلو ضرورت کی چیزیں، کپڑے خوراک، بار برداری کے جانور مثلاً گھوڑے، خچر اور گدھے نیز خدمت گار یعنی لونڈی، غلام وغیرہ بھی شامل تھے۔

اقبال رضی اللہ عنہ اس کا یوں اظہار کرتے ہیں:

"اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے اُستوار

لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز، جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار

مِلکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس
اسپِ قمر سم و شتر و قاطر و حمار"[2]

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر میں اہل و عیال کے لیے بھی کچھ چھوڑا ہے ایک مسلمان پر ان کا بھی حق ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے بعد یوں عرض کیا کہ ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہے۔

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:252

[2] ایضًا

اقبال رضی اللہ عنہ اس کا یوں اظہار کرتے ہیں:

"بولے حضورؐ چاہیے فکرِ عیال بھی کہنے لگے وہ عشق و محبت کا رازدار

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر اے تیری ذات باعث تکوین روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس صدیق کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس!"[1]

اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس قدر دولت اور سامانِ جنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھرے مجمع میں ان کے جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے موجودہ کرنسی کے مطابق ایک لاکھ سے زیادہ حاضر خدمت کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال پیش کیا تھا۔ لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جن کی ذات سے دنیا میں عشق کا وجود برقرار ہے۔ سارا اثاثہ پیشِ خدمت کر دیا، کنیز، غلام، چاندی، سونا، اثاث البیت، غلہ، سامان زندگی، اسبابِ خانہ داری، گھوڑے، اونٹ، خچر، اور گدھے غرض کہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب لا کر محبوب کے قدموں پر نچھاور کر دیا۔ جب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دریافت کیا اے ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے عیال و اطفال یعنی بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو تو اس سر خیل عاشقان عالم نے جو جواب دیا وہ رہتی دنیا تک محفلِ عشاق کو اپنی روشنی سے جگمگاتا رہے گا۔ یعنی یہ کہ میرے عیال اور اطفال کے لیے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہے۔

"پروانے کو چراغ ہے بُلبل کو پھول بس صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ہے خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بس"[2]

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

"رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو راہِ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب فرمائی۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سارے مال و اسباب میں نصف لے آئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جو کچھ تھا لا کر پیش کر دیا۔ یہاں تک کہ کرتے میں جو کنڈیاں لگی ہوئی تھیں وہ بھی اتار کر پیش کش میں رکھ دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دریافت فرمایا کہ اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا۔ تو عرض کیا کہ ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔"[3]

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:252

[2] یوسف علی چشتی، پروفیسر، **شرح بانگ درا**، (عشرت پبلشنگ ہاؤس غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور، س۔ن)، ص:425

[3] غلام رسول مہر، **مطالب بانگ درا**، شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، طبع اول، 1987م، ص:276

اس واقعہ سے جو اہم سبق ملتا ہے وہ یہ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینی امور پر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا شوق تھا۔ ہر ایک دین اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتا تھا اور خدائے پاک کی ذات پر بھروسہ ان کا کس قدر تھا کہ خدا کے نام پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سب کچھ قربان کر دیا۔ یہ وہ کامل یقین ہے جس کی مثال رہتی دنی تک قائم رہے گی ۔دوسرا یہ کہ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مزاج میں ایسی پختہ ہو گئی تھی کہ جیسے بھی حالات ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تکمیل ان کے لیے سب سے مقدم ہوتی تھی۔ چاہے جان چلی جائے گھر ویران ہو جائے گھروں میں فاقے آجائیں لیکن حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوتاہی کرنا ان کے لیے ناممکن تھا جن حالات میں غزوہ تبوک کی تیاری ہوئی۔ ملک میں قحط تھا سخت گرمی پڑ رہی تھی فصلیں پکنے کے قریب تھیں۔ سرمائے کی بے حد قلت تھی اور دنیاوی اعتبار سے ایک بہت بڑی طاقت قیصر روم کی عظیم الشان طاقت سے ٹکرانے جا رہی تھی۔ لیکن اللہ کے بھروسے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سننے کے بعد ان نامساعد حالات میں اصحاب رسول رضی اللہ عنہم جب نکلے تو فتح سے ہمکنار ہوئے اگر چہ ہر صحابی رضی اللہ عنہم کی قربانی اعلیٰ درجے کی تھی ۔ لیکن اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رفیق نبوت سب پر سبقت لے گئے اور رہتی دنیا تک ایک مثال قائم کر گئے اور امت مسلمہ کے ہر مرد وزن کو یہ سبق دے گئے کہ جب بھی دین اسلام کا تقاضا آئے تو اس کے لیے سارا مال اور وقت قربان کرنے کو سعادت سمجھنا ہی صدیقی سنت ہے۔

> "رفیق نبوت سے اشارہ ہے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اس لیے کہ وہ اکثر مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تمام فضائل ایک مصرع میں جمع کر دیئے ہیں یعنی ثانی اسلام و غار و بدر و قبر"[1]

خضر راہ کے عنوان سے بانگ درا میں مسلمانوں کی زبوں حالی خصوصًا آپس کے اختلاف کا رونا روتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں چونکہ یہ وہ زمانہ ہے کہ جب مسلمانوں کی خلافت ختم ہو گئی تھی۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کی بنیادی وجہ اور بڑی وجہ مسلمانوں میں وطنی عصبیت بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ملت اسلامیہ کی وحدت وطنیت کی بدولت اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گی جس طرح قینچی سونے کے اوراق کو کاٹ کر پرزے کر دیتی ہے۔ اسلام نے تو یہ تعلیم دی تھی کہ چین سے لے کر مراکش تک سب مسلمان ایک قوم ہیں لیکن آج ترک اپنے آپ کو عربوں سے اور عرب اپنے آپ کو ترکوں سے جدا سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے مسلمان ملک غلام بنتے جا رہے ہیں اور اس کی بڑی وجہ مسلمانوں کے اندرونی اختلاف ہیں۔ چاہے وہ وطنی ہوں یا مسلکی ہوں۔ یہی مسلمانوں کے زوال کا باعث ہیں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] ایضاً

"اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش　　　اے گرفتارِ ابو بکر رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ ہشیار باش"[1]

مذکورہ بالا اشعار میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ فروعات میں الجھ کر اپنی ملت کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے۔یہی مسلمانوں کی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔جو قومیں ترقی کرنے کی آرزومند ہوتی ہیں وہ واضح اصول کو چھوڑ کر مبہم امور کا اتباع نھیں کرتیں۔

یوسف سلیم چشتی کہتے ہیں:

"اقبال نے اس مصرع میں قوم کی سب سے دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑا ہے۔وہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اے نادانو کب تک اس مسئلہ پر آپس میں لڑتے رہو گے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کون افضل ہے۔آگاہ ہو جاؤ کہ دشمن تمہاری اس خانہ جنگی سے خوب فائدہ حاصل کرے گا اور تم تباہ ہو جاؤ گے "[2]

چونکہ انبیاء کی بعثت کا بنیادی مقصد ہی یہی تھا کہ لوگوں کو سیدھی راہ دکھائی جائے۔لوگوں کو احکام خداوندی کا پابند بنایا جائے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ذمہ داری امت مسلمہ کے ہر مرد وزن کی تھی،امت کے اسلاف میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دل میں انسانوں کی ہدایت کا یہ درد جس درجے کا تھا،اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

"تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے　　　دل مرتضیٰ رضی اللہ عنہ،سوزِ صدیق رضی اللہ عنہ دے"[3]

## کلام اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ:

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی خراج عقیدت پیش کیا ہے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ذات کو ملت اسلامیہ کی تربیت اور کردار سازی کے حوالے سے ایک نمونہ گردانتے ہیں۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کی سیرت اور خاص طور پر جس انداز سے انھوں نے حکمرانی کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ امت مسلمہ کے افراد کو مغربی تہذیب و ثقافت کی بربادیوں سے متنبہ کرتے ہوئے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنانے کو کہتے ہیں۔فرماتے ہیں مغربی نظام تعلیم سے یہ عظیم کردار پیدا نھیں ہو سکتے۔

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:283

[2] یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، **شرح بانگ درا**، (عشرت پبلشنگ ہاؤس غزانی اسٹریٹ اردو بازار، لاہور، س۔ن)، ص505

[3] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ساقی نامہ، ص:449

"اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن　　　　بنتی ہے بیاباں میں فاروقی و سلمانی"[1]

یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

"اے شیخ مکتب کی فضا بھی اگر چہ بہت اچھی ہے منطق اور فلسفہ کے مطالعہ سے دماغ ضرور منور ہو جاتا ہے۔لیکن مسلمان میں شانِ فاروقی رضی اللہ عنہ یا شان سلمانی رضی اللہ عنہ بیابانی زندگی ہی سے پیدا ہو سکتی ہے یعنی ایسی زندگی جس میں مسلمان اپنی خودی کی ترتیب کر سکے جس میں سادگی ہو، تاکہ نفس امارہ قابو میں آسکے اور انسان عیش و عشرت کا خوگر نہ ہو سکے ۔شانِ فاروقی رضی اللہ عنہ سے اشارہ ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف اور شان سلمانی رضی اللہ عنہ سے اشارہ ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا منشاان دوناموں کے تذکرہ سے یہ ہے کہ مسلمان ان بزرگوں کی زندگیوں سے سبق حاصل کریں اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔ اس جگہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زندگی پر تبصرہ مقصود نھیں ہے صرف اتنا لکھنا مقصود ہے کہ آج تک دنیا نے حضرت موصوف رضی اللہ عنہ کا جواب پیدا نھیں کیا۔"[2]

آپ رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد ہر نیکی کے کام میں آگے بڑھنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر مر مٹنے کے لیے تیار تھے غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اصحاب رسول سے لشکر کی تیاری میں مدد کے حوالے سے بات کی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ میں سب سے سبقت لے جاؤں گا چونکہ اس وقت میرے پاس کافی مقدار میں مال موجود ہے لیکن سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ سب پر ہی سبقت لے گئے انھوں نے سب کچھ ہی دے دیا تھا۔

کار خیر کی جانب سبقت اور دین حق کی خدمت کی راہ میں مقابلہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز تھا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرزندان ملت میں یہی اوصاف دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ اس لیے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سبقت اور راہ حق میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کے مناظر کو بار بار امت کے سامنے لاتے ہیں۔

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:

"غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان جو مسابقہ اور مقابلہ ہوا اس میں فاروقی رضی اللہ عنہ کردار کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان کرتے ہیں۔"[3]

"اک دن رسولِ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب رضی اللہ عنہم سے کہا　　　　دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مال دار

ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمر رضی اللہ عنہ اٹھے　　　　اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، ص: 691

[2] یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، **شرح بانگ درا**، ص 486-487

[3] ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، **اقبال کا نجوم ہدایت**، (فیروز سنز لمٹیڈ، لاہور، 1991م)، ص: 95

دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیق رضی اللہ عنہ سے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا رہوار

لائے غرضکہ مال رسولِ امین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار

پوچھا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اے عمر رضی اللہ عنہ
اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار!

رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار

کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار"[1]

آپ رضی اللہ عنہ کے اس ایثار اور قربانی کی بنا پر رب کریم نے آپ رضی اللہ عنہ کو بہت اونچی شان و مرتبہ سے نوازا۔ اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ اسلام لانے والوں میں سے چالیس نمبر پر تھے لیکن قربانی کرتے کرتے آپ رضی اللہ عنہ دوسرے نمبر پر چلے گئے۔

علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھی لکھتے ہیں:

"حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین دن بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دارِ ارقم ہی میں مقیم تھے۔ یہ ذی الحجہ 6 یا 5 نبوت کا واقعہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت چھبیس سال کے نوجوان تھے اور آپ رضی اللہ عنہ سے انتالیس مرد و زن اسلامی برادری میں شامل ہو چکے تھے۔"[2]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ دینی کاموں میں مسابقت صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان تھی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اگرچہ چالیس نمبر پر ایمان لاتے ہیں لیکن دین حق کی خاطر قربانی کرتے کرتے یہاں تک بڑھ گئے کہ دوسرے نمبر پر پہنچ گئے۔ یہ مسابقت کا جذبہ اس واقعہ سے نظر آتا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اللہ کے ہر حکم کی سربلندی اور مضبوطی کے لیے وہ سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ جس کی ایک جھلک علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بانگ درا کے ان اشعار میں دکھائی ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، صدیق رضی اللہ عنہ، ص:252

[2] محمد ہاشم سندھی، مخدوم علامہ، **عہد نبوت کے ماہ و سال**، مترجم مولانا محمد یوسف لدھیانوی، (مکتبہ دینیات بنوری ٹاؤن، کراچی، س-ن)، ص:24

کی اپیل کی تو کیسے اصحاب رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کے لیے قربانی کی اور یہ مسابقت کا جذبہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ امت مسلمہ کے ہر مرد و زن کے اندر دیکھنا چاہتے تھے اس لیے وہ آرزو کرتے ہیں۔

مسلمانوں کا اشرف الناس اور امت محمدیہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اشرف الامم ہونا متعدد احادیث سے وارد ہوا ہے۔ قرآن پاک کی آیات میں بھی کئی جگہ اس مضمون کو صراحتہً و اشارۃً بیان فرمایا ہے۔اس امت کا تمغہ امتیاز یہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے اشعار میں امت مسلمہ کے لیے نسخہ ہائے کیمیا بتاتے ہیں کہ اگر امت مسلمہ کے دلوں کی کیفیات انسانوں کی ہدایت کے حوالے سے ایسی بن جائے جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تھی یعنی ان کے دلوں میں امت کا غم درد پیدا ہو جائے اور یہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے حریص ہو جائیں تو پھر ان کے ساتھ اللہ کی پوری مدد و نصرت شامل ہو جائے۔

فرماتے ہیں:

"دل بیدار فاروقی رضی اللہ عنہ ، دل بیدار کراری رضی اللہ عنہ مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری"[1]

مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

"جس انسان کا دل بیدار ہو جائے اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے اوصاف و خصائص کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے یہ ہے کہ آدمی تانبا ہے دل کی بیداری اس کے لیے کیمیا کی حیثیت رکھتی ہے اور تانبے کو سونا بنا دیتی ہے۔"[2]

## کلام اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار متمول صحابہ کرام میں ہوتا ہے آپ رضی اللہ عنہ کی دولت غربا اور مساکین پر خرچ ہوتی تھی آپ انتہائی سخی تھے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل میں لکھا جا چکا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا مال راہ خدا میں ہمیشہ خرچ ہوتا رہا۔ دولت اور اقتدار کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی نرم خو بھی تھے۔دیگر خلفائے راشدین کے ساتھ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ خصوصیت سے دولت عثمانی کو زیر بحث لاتے ہیں اور اس دولت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصرف کے انداز کو امت مسلمہ کے لیے ایک نمونہ سمجھتے ہیں۔

این میری شمل لکھتی ہیں:

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:375

[2] غلام رسول مہر، **مطالب بال جبریل**، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع ہفتم 1991م)، ص:55

"اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایثار وثروت مندی کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی کبھی تقابل کی خاطر دولت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ فقر حیدری کا بھی ذکر کرتے ہیں۔"[1]

اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کلام اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں بہت تھوڑا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے الفت و محبت کم تھی یا ان کا مرتبہ و مقام دیگر خلفاء کے برابر نہ ہو۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے اور ان کی جس خوبی کو خاص طور پر اپنے کلام میں ذکر فرمایا۔ وہ خوبی آج کے مسلمانوں کو اپنا لینے کی اشد ضرورت ہے۔ عہد اقبال رحمۃ اللہ علیہ صفت عثمانی رضی اللہ عنہ سے عاری دکھائی دیتا ہے اور آج بھی یہ صورت حال جاری ہے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سراپا صفات کا مجسمہ تھے آپ رضی اللہ عنہ کی حیا بلکہ کمال حیا اس خوبی میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا جو آپ کا ثانی ٹھہرے۔ لیکن علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اردو کلام میں خاص طور پر دولت عثمانی کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ مسلمانوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس صفت کو نہ پا کر سخت برہم نظر آتے ہیں اور شکوہ کرتے ہیں:

"ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے — تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

حیدری فقر ہے، نہ دولتِ عثمانی ہے — تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر — اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر"[2]

آج مسلمانوں میں مال و دولت کے اعتبار سے کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ لیکن یہ مال و دولت کہاں استعمال ہو رہے ہیں۔ یہ مقام افسوس ہے ہمارے اسلاف خاص طور پر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو کہ مال دار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شمار ہوتے ہیں، کیا ہم نے ان کی طرح اپنی دولت کا استعمال غلاموں کی آزادی کے لیے شروع کیا ہے یا دیگر فلاحی کاموں میں کیا جس طرح ان کی دولت استعمال ہوتی تھی؟ اپنی ذات کے اعتبار سے یہ حضرات انتہائی محتاط رہتے تھے، یعنی خواہشات تو درکنار اپنی ضروریات میں بھی بڑے محتاط انداز سے مال کا استعمال کرتے تھے۔ مال جی کھول کر راہ خدا میں خرچ کرنا ان کی شان تھی۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر آج کے مالدار مسلمانوں سے نالاں نظر آتے ہیں۔ آج کے مالدار مسلمان اپنی دولت کے ذریعے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ سخاوت ان کے قریب تک نظر نہیں آتی اور پھر یہ دولت ان کی خودی کی آبیاری کے بجائے بربادی کا ذریعہ بنتی

---

[1] این میری شمل، **شہپر جبرئیل**، مترجم ڈاکٹر محمد ریاض، ص:206

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، جوابِ شکوہ، ص:227

نظر آتی ہے۔ جب کہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دولت سے اسلام کو شان ملی اور اس دولت کا مصرف فقراء، مساکین اور غزوات میں زیادہ سے زیادہ ہوا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے امت مسلمہ کے مالداروں کو دولت عثمانی کا تذکرہ کر کے جھنجھوڑا ہے کہ اتنے مال دار ہونے کے باوجود انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کی زندگی کتنی زاہدانہ تھی۔

**محمد یوسف کاندھلوی لکھتے ہیں:**

> "حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں کے بارے میں سوال پوچھا گیا جو مسجد میں قیلولہ کرتے ہیں تھے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں قیلولہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان دِنوں جب کہ آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے اور فرمایا جب آپ کھڑے ہوتے تھے تو کنکریوں کے نشان آپ کے پہلو پر ہوتا تھا اور کہا جاتا تھا یہ امیر المومنین ہیں یہ امیر المومنین ہیں۔"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اپنے کلام میں تذکرہ فرما کر اس بات کی دعوت دی ہے کہ جس طرح دولت عثمان رضی اللہ عنہ کا صرف و فروغ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور احیائے دین کے لیے تھا اور یہ دولت غربا اور مساکین پر خرچ ہو رہی تھی اور مسلمان معاشی طور پر مستحکم ہو رہے تھے یہی جذبہ امت کے مالداروں میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ پھر سے دیکھنا چاہتے ہیں کہ امت کے دولت مند افراد حاجت مندوں کی مدد کریں نہ کہ وہ ہمہ وقت دولت کو بڑھانے کی فکر میں لگے رہیں یا یہ کہ اپنی دولت کے نشے میں مست ہو کر اللہ تعالیٰ سے دور جا پڑیں، اس کے ساتھ غربا کے لیے بھی ایک پیغام ہے کہ وہ اپنی غربت کی وجہ سے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں بلکہ دونوں حالتوں میں اللہ کی اطاعت اور بندگی کرتے رہیں۔

## کلام اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ اور شان عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ تھی جس بنا پر وہ بڑے بڑے معرکے سر کرتے تھے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ خیبر کو اپنی نظم "شکوہ" میں یوں بیان کرتے ہیں۔

"تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے | شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے

توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے | کاٹ کر رکھ دیے کفار کے لشکر کس نے"[2]

---

[1] محمد یوسف کاندھلوی، **حیاتِ صحابہ**، (ادارہ اشاعت دینیات حضرت نظام الدین، دلی 1964م)، ص: 2/185

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، شکوہ، ص: 190

**اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو عشق تھا اس حوالے سے ڈاکٹر این میری شمل یوں بیان کرتی ہیں:**

"اقبال رحمۃ اللہ علیہ پیغمبر کے ہی عاشق و محب نہ تھے۔ وہ ان کی عترت کے بھی محب تھے داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عم زاد، چوتھے خلیفہ اور تاریخ اسلام کی ایک اہم شخصیت ہیں، اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے بے پناہ محبت تھی۔ ان کی شجاعت شیعہ اور سنی حضرات دونوں کے ہاں معروف و متداول ہے، گو سیاسی مسائل میں وہ زیادہ طاق نہ تھے۔ اسمائے علی رضی اللہ عنہ کی، جیسے حیدر کرار اور مرتضی کی اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی اسرار خودی کے دسویں باب میں توضیح کی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں علی یا حیدر استغنا یا بے نیازی کی علامت ہے اور یہ ایسا فقر و استغنا ہے جو انسانی سیرت کی تشکیل و تعمیر کرتا ہے۔ حیدر خیبر کا فاتح ہے اور انسان کامل ہونے کا ایک نمونہ ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دین وطنیت کے موجودہ معرکے میں کسی علی رضی اللہ عنہ کا موجود نہ ہونا مسلمانوں کی بد بختی ہے۔"[1]

**اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے انتہائی محبت و عقیدت تھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:**

"تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و شعر میں سب سے نمایاں مقام حاصل ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں "باب مدینۃ العلم "کی نسبت "شیر خدا" کو زیادہ اہمیت حاصل ہے اس سلسلے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت و سیرت کے حوالے سے متعدد تراکیب استعمال کی ہیں۔ جو اب القاب کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں۔ ان میں سے تو کچھ ایسی ہیں جن کے آثار پہلے بھی موجود تھے لیکن اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں جدت ڈال کی روح ڈال کر انھیں اپنا لیا ہے۔ مگر ان میں سے بعض اصطلاحات یا القاب ایسے ہیں جن کے سلسلے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو ایجاد اور انفرادیت کا شرف حاصل ہے۔ ان میں سے "فقر حیدری" قوت حیدری، کراری، اسد اللہی، ید اللہی، خیبر شکنی اور خیبر کا استعمال اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں عام اور بکثرت نظر آتا ہے۔"[2]

**"زہد اور رندی" ایک نظم جو کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے خوب صورت انداز میں اپنے عقائد کے پس منظر میں لکھی تھی، اس نظم کے دو بنیادی کردار ہیں۔ ایک ان میں مولوی صاحب ہیں اور دوسرا ایک آزاد خیال مسلمان اس نظم میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اپنے عقائد پر طنز ایک مولوی صاحب کی زبان سے سنواتے ہیں۔ مولوی صاحب کہتے ہیں:**

"ہے اس کی طبیعت میں تشیّع بھی ذرا سا　　　تفضیلِ علی رضی اللہ عنہ ہم نے سنی اس کی زبانی"[3]

**اقبال رحمۃ اللہ علیہ جہاں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور ان کی صفات کا ذکر کرتے ہیں۔ وہاں وہ مسلمانوں کو خدائے پاک کی نعمتوں پر صابر و شاکر رہنے کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فقر کو باعث تقلید سمجھنے کی تلقین کرتے ہیں کہ اتنے بڑے**

---

[1] این میری شمل، **شہپر جبرئیل**، ص:206

[2] ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، **اقبال کے نجوم ہدایت**، (فیروز لمیٹیڈ، لاہور 1991م)، ص:95

[3] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، زُہد اور رندی، ص:91

طاقتور آدمی جو بڑے بڑے معرکے سر انجام دیتے رہے ان کی گھریلو زندگی فقر والی تھی۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کو بڑے دکھ سے اسلاف کی سیرت یاد کراتے ہیں کہ ہم کن کے نام لیوا ہیں، ان کا تو یہ حال تھا کہ اگر حالت فقر ہے تو بھی توجہ الی اللہ ہے اور حالت تونگری ہے تو بھی توجہ الی اللہ ہے۔ مسلم کو نہ تو فاقہ اللہ سے غافل کر سکتا ہے۔ نہ تونگری اللہ سے دور کر سکتی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہاں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یوں تذکرہ کرتے ہیں اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور ہمیں اپنی اس کمی کا احساس یوں دلاتے ہیں۔

"حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے    تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟"[1]

ایک نظم "میں اور تو" کے عنوان سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے خوب صورت انداز میں اپنی ذات اور ملت کے تمام افراد کے کردار کا ایک جائزہ پیش کیا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ حساس شخصیت کے مالک تھے۔ ان کو مسلمانوں کے زوال کا بہت دکھ تھا۔ وہ مسلمانوں کے آج کو ان کے شاندار ماضی کے پس منظر میں جب دیکھتے تھے تو کڑھتے تھے۔ اس نظم میں آپ مسلمانوں کی بہت سی برائیاں جو وقوع پذیر ہوئی ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اس ذلت سے نکالنے کے لیے پھر سے اسلاف کے کارنامے یاد کراتے ہیں۔ خاص طور پر غیرت اور حمیت کی چنگاری کو بیدار کرنے کے لیے انہین اس بات کا درس دیتے ہیں کہ معاشی طور پر جو ہم مفلوج ہوگئے ہیں تو ہمیں امارت کا خیال بھی نھیں کرنا چاہیے۔ بلکہ لازم ہے کہ ہم اپنی غیرت اور حمیت کو بیدار کریں کہ شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیں یہی درس دیتی ہے کہ وہ دنیاوی لذات کے دلدادہ نہ تھے اور نہ ہی وہ خواہشات کے پورا کرنے کے آرزومند تھے بلکہ جو کی روٹی ہی پر ان کا گزراوقات تھی اور ایمانی کمال اس درجے کا حاصل کر لیا تھا کہ خیبر کا در ایمانی قوت کے ساتھ اکھاڑ پھنکا۔

"تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر    کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری رضی اللہ عنہ"[2]

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کو بدحالی کے اثر میں میں آکر بددل ہونے سے روکتے ہیں۔ وہ متنبہ کرتے ہیں کہ مایوس نہ ہوں۔ ایسے انقلابات آتے رہتے ہیں اور آتے رہیں گے۔ یہ انقلابات تہذیبوں کو تہہ بالا کرتے رہے ہیں لیکن اس کے باجود دیکھا جائے تو صورت حال میں کوئی بنیادی اور واضع تبدیلی رونما نھیں ہوئی کہ آج بھی معاشرتی سطح پر ساری دنیا میں حق و باطل کے مابین آویزش جاری ہے۔ ایک جانب مرحب و عنتر جیسے لوگ باطل کو فروغ دینے کی سعی میں مبتلا ہیں۔ دوسری جانب شیر خدا حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ والے راستے پر چلنے والے، حق کی حمایت میں تیغ بکف ہیں۔

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، جواب شکوہ، ص:227

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، میں اور تو، ص:280

"نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریف پنجہ فگن نئے وہی فطرتِ اسد اللہی، وہی مرحبی، وہی عنتری"[1]

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آج کا کفر جو کہ پھر سے مرحب و عنتر کی روایت لیے موجود ہے اس سے نجات حاصل کر سکتے ہیں بشرطیکہ مسلمان میں قوت ایمانی موجود ہو۔

لیکن اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک نظم میں مسلمانوں کے اندر ایک بیماری کا ذکر کرتے ہیں کہ آج کا مسلمان فروعی اختلاف میں الجھ کر رہ گیا ہے "دنیائے اسلام" کے عنوان سے ایک جگہ پر امت مسلمہ کی اس بیماری کا ذکر بڑے خوب صورت انداز سے کیا ہے کہ آج ضروری کیا ہے اور غیر ضروری کیا ہے اس کے فرق کو نہیں پہچانتے ہم یہ نہیں جانتے کہ اصولی باتیں کیا ہیں اور فروعی امور کیا ہیں۔ نیز یہ کہ جو قومیں دنیا میں ترقی کرنے کی آرزومند ہوتی ہیں۔ وہ جلی (واضح اصول) کو چھوڑ کر خفی (فروعی یا مبہم امور) کا اتباع نہیں کیا کرتیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جہاد کو کبھی ترک نہ کرو اصول دین کو قائم رکھو رسوم دین میں اور اختلاف ہو بھی تو یہ بڑی بات نہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کے کارناموں کا تذکرہ اپنی نظم "طلوع اسلام" میں امت مسلمہ کے ہر فرد کو یہ بات یاد کرا رہے ہیں کہ ذرا دیکھو اپنے اسلاف کو جنہوں نے قیصر و کسریٰ کے ظلم کو دنیا میں نیست و نابود کیا۔ یہاں پر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ تین اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی قناعت پسندی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی صدق دلی کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

"مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے وہ کیا تھا؟ زور حیدر رضی اللہ عنہ، فقر بوذر رضی اللہ عنہ، صدقِ سلمانی رضی اللہ عنہ"[2]

اس سلسلے میں یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

> "اگر اقبال رحمۃ اللہ علیہ صرف یہی ایک شعر لکھ کر اس نظم کو ختم کر دیتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا۔ میری رائے میں مسلمانوں کی سب سے بڑی نادانی یہ ہے کہ وہ دنیا میں حکمرانی کی آرزو تو رکھتے ہیں لیکن ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ اس کے اہل ہی نہیں ہیں اور وہ خود بھی اس تلخ حقیقت سے بے خبر نہیں۔ قرآن مجید یہ فرماتا ہے کہ پہلے حکمرانی کی اہلیت پیدا کرو پھر آرزو کرو لیکن میری قوم کا طرز عمل یہ ہے کہ خود تو اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں، لیکن پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے آرزومند ہیں"[3]

---

[1] ایضًا

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، طلوعِ اِسلام، ص: 297

[3] یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، **شرح بانگ درا**، ص: 518

"بانگ درا" کے آخری حصہ غزلیات میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے زوالِ امت کی طرف بھی بعض اشارے کیے ہیں۔ان میں سب سے بڑی وجہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی ہے۔جب سے امت نے دین اسلام کو چھوڑا، مقصد حیات دنیا کو حاصل کرنے کے لیے تو مسلمانوں کے ہاتھ سے حکمت اور حکومت دونوں گئیں۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے یہ غلطی کی اور اپنے اصل مقصد سے غافل ہوگئے، دنیا طلبی میں لگ گئے، نتیجہ یہ نکلا کہ نہ دین ملا نہ دنیا ملی۔اگر دین پر عمل کرتے تو دنیا خود بخود مل جاتی ۔اگر ان غزلیات کا خلاصہ بیان کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فقدان ہے۔ساتویں غزل میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی زبردست بات کی ہے کہ اس وقت دنیا مادہ پرستی میں اتنی مست ہوگئی ہے کہ نہ کہیں خدا کی عبادت کرنے والوں کا صحیح وجود نظر آتا ہے نہ بت پرستوں کا چونکہ بت پرست بھی دنیا طلبی میں لگ گئے اور سوگئے کہ ان کے بت خانہ خالی ہوگئے اور مسجدیں بھی ویران ہوگئیں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہاں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مسلمانوں کو ایک پیغام دے رہے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں میں نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خصوصیات پائی جاتی ہیں اور نہ کسی کافر میں ابولہب کی سی شدت رہی ساری دنیا عورت اور دولت کے چکر میں پھنسی ہوئی ہے۔

"نہ خدا رہا نہ صنم رہے، نہ رقیب دیر و حرم رہے　　　نہ رہی کہیں اسد اللہی نہ کہیں ابولہبی رہی"[1]

ایک غزل میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ بڑے خوب صورت انداز میں کرتے ہیں۔اس رباعی میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ دعائیہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں درخواست کرتے ہیں کہ یا الہٰی انسانی قلوب کو اپنی محبت سے لبریز کردے اور دوسری بات جو امت کے سامنے لانا چاہتے ہیں، وہ علی رضی اللہ عنہ کی جرات و ہمت اور استغنا کا سوال ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ آپ رضی اللہ عنہ کے مثالی کردار کو امت کے لیے نمونہ سمجھتے ہیں اور اس بات کا یوں ذکر کرتے ہیں:

"دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر　　　حریمِ کبریا سے آشنا کر

جسے نانِ جویں بخشی ہے تُو نے　　　اسے بازوئے حیدر رضی اللہ عنہ بھی عطا کر"[2]

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:313

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:346

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام میں جگہ جگہ جس صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بالعموم مسلمانوں کے لیے اور بالخصوص نوجوانوں کے لیے مثالی کردار کی حیثیت سے سامنے لائے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کئی جگہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسد اللہ کہہ کر مخاطب کیا ہے، کئی جگہ شیر مولا کہہ دیا کہیں شیر خدا کہیں خیبر شکن کہہ دیا۔

بقول ڈاکٹر ظہور احمد اظہر:

> "فقر و قوت کے یک جا ہونے سے "اسد اللہی" وجود میں آتی ہے۔ قوت حیدری بھی میسر ہو اور فقر حیدری کی دولت بھی ہاتھ آجائے تو پھر بندہ مومن "اسد اللہ" ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شیر خدا وہ ہے جو بے نیازی کے کمال اور قوت کی انتہا پر ہوتے ہوئے بھی صرف حق اور اہل حق کی خاطر باطل قوتوں سے پنجہ آزمائی کرتا ہے۔ حق پرستی و حق شناسی اور حق کی خاطر جان کی بازی لگا دینا اسد اللہی ہے۔ بولہبی، مرحبی اور عنتری اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں باطل کی نمائندہ اصطلاحات ہیں۔ جب کہ حق کی فطرت میں اسد اللہی کا جوہر ہے۔ اس لیے اسد اللہی سے متصف انسان دار اور سکندر جیسے مغرور بادشاہوں سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔"[1]

"دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ      ہو جس کی فقیری میں بُوئے اسد اللّٰہی!"[2]

روز ازل سے آج تک حق و باطل کی معرکہ آرائی جاری ہے۔ حق کی نمائندگی اسد اللہ جب کہ مرحبی و عنتری باطل کی صفات میں ہے۔ ان دونوں قوتوں کا تصادم کوئی نئی بات نھیں۔ بلکہ یہ مسئلہ قدیم سے ہے۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں موجود ہے:

> "اسکندر مقدونیہ (یونان) کا بادشاہ دارا: ایران کا بادشاہ تھا اسکندر نے نہ صرف دارا کو خراج دینے سے انکار کیا بلکہ مصر کو فتح کر کے اس امید پر ایران پر چڑھائی کر دی کہ وہ اسے (ایران کو) اپنے سوتیلے بھائی سے چھین لے گا۔ اسکندر سفیر کے بھیس میں دارا کے کی لشکر گاہ میں آیا جہاں اس کا شان دار استقبال کیا گیا لیکن وہاں اسے پہچان لیا گیا اس لیے وہ وہاں سے نکل بھاگا۔ اس کے بعد اسکندر نے دارا کو چار مرتبہ شکست دی اور بلآخر دارا پر خود اس کے ویزیروں نے قاتلانہ حملہ کیا۔"[3]

دارا ایرانِ قدیم کا عظیم بادشاہ تھا۔ اسکندر تر کہ اس کے ہاتھوں دارا کی افواج کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ کے شیر علی رضی اللہ عنہ والی مہک جس فقیر کی فقیری میں ہو وہ ان دونوں مشہور حکمرانوں سے برتر و اعلیٰ ہے۔ موجودہ مادہ

---

[1] ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، **اقبال کے نجوم ہدایت**، ص:126

[2] کلیات اقبال اردو، ص:349

[3] **اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ**، (دانش گاہ پنجاب، لاہور، طبع اول 1972م)، ص:9/150

پرستی کی لہر جس انداز سے مسلمانوں کو جاہلانہ عصبیت قومیت اور وطن پرستی کے سیلاب میں بہا کر لے گئی ہے۔اسے اقبال رحمۃ اللہ علیہ عالم انسانیت کے لیے معرکہ خیبر کی طرح نازک وخطرناک معرکہ تصور کرتے تھے۔ان کے خیال میں دین وطن کے درمیان اس معرکہ آرائی سے انسانیت کا مستقبل خطرے میں ہے اور اس خطرے کا سامنا صرف وہی بہادر کر سکتا ہے جو حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی طرح صف شکن اور فتح خیبر کی قوت اور صلاحیت رکھتا ہو۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ ملی اتحاد کے علمبر دار تھے اور اس کی دعوت دیتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کردار کو سامنے لاتے ہیں۔

"بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکہ دین وطن　　اس زمانے میں کوئی حیدر رضی اللہ عنہ کرار بھی ہے"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے نالاں ہیں کہ مسلمانوں میں تن آسانی آچکی ہے وہ اپنے اسلاف کی زندگی کو چھوڑ کر مغرب پرستی اور ہوس پرستی کی زندگی کی طرف گامزن نظر آرہے ہیں۔جس کی وجہ سے ذلت اور رسوائی مسلمانوں کا مقدر بنتی چلی جارہی ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اسلاف کی زندگیوں کو نمونہ نھیں بنایا۔بلکہ دورنگی اختیار کی ہوئی ہے اور ہم اسلامی زندگی سے خالی ہیں جبکہ ہمارا اسلاف سراپا اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار نظر آتے ہیں۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہاں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عشق کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یا عقل کی رُوباہی، یا عشقِ یدُاللّٰہی　　یا حِیلہ افرنگی، یا حملہ ترکانہ!"[2]

عشق اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اہم موضوعات میں سے ایک اہم موضوع ہے۔بانگ درا، پیام مشرق، میں اس حوالے سے کافی کلام موجود ہے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عقل و عشق کے حوالے سے جہاں اپنے خیالات کا اظہار کر دیا۔وہاں انھوں نے عشق وخودی کے مضمون کو یکجا بھی کیا ہے۔

> "عقل و علم اور عشق کا تقابل اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا خاص مضمون ہے۔یہ مضمون صدیوں سے مسلمانوں کے ادب میں حکیمانہ ،صوفیانہ اور متصوفانہ شاعری کا ایک دلچسپ موضوع رہا ہے اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے لوگوں نے اس مسئلہ میں بڑی نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔لیکن اس کو تسلیم کیے بغیر چارہ نھیں کہ پہلوں نے جو کچھ کیا ہے،اس کا بہترین جوہر اور خلاصہ بھی اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں موجود ہے۔نیز اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر قابل قدر اضافہ بھی کیا ہے اور ہر نظم بلکہ ہر شعر میں انداز بیان بھی نرالا ہے۔"[3]

"بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے　　مسلمان نھیں راکھ کا ڈھیر ہے"[4]

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:396

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:398

[3] عبد الحکیم، ڈاکٹر، خلیفہ، **فکر اقبال**، (بزم اقبال، لاہور 1988م)، ص:401 تا 402

[4] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:449

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عشق کا تذکرہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دل کی آواز تھا۔ایک رائے ملاحظہ ہو:

"اقبال رحمۃ اللہ علیہ علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی ذات کو کمال عشق و مستی کی امین تصور کرتے ہیں۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشق و مستی دراصل جذب و شوق کی ایک کیفیت کا نام ہے جو مختلف پہلوؤں سے عبارت ہے۔کبھی یہ کیفیت جمال رنگ میں سامنے آتی ہے تو اس وقت کیف و سرور کا سماں بن جاتا ہے لیکن جذب و شوق کی یہی کیفیت جب کبھی جلالی رنگ میں ظاہر ہوتی ہے تو بے نیازی کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔عشق و مستی کی اس کیفیت کا جلال و جمال پوری آب و تاب کے ساتھ اگر یکجا جلوہ گر دیکھنا ہو تو وہ ذات حیدری میں دیکھا جا سکتا ہے۔"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں ذات علی رضی اللہ عنہ میں عشق و مستی کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

"جمالِ عشق و مستی نَے نوازی      جلالِ عشق و مستی بے نیازی

کمالِ عشق و مستی ظرف حیدر رضی اللہ عنہ      زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی"[2]

یوسف سلیم چشتی نے اس رباعی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت کے دو اہم پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس رباعی میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کا رنگ بلاغت اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے۔

"عشق یعنی عاشق جب اپنی شان جمال دکھاتا ہے تو اس کا وجود دنیا والوں کے حق میں رحمت الہی بن جاتا ہے۔شان جمال عاشق کو بنی آدم کی خدمت پر آمادہ کر دیتی ہے اور شان جلال اس کو دنیا والوں سے بے نیاز کر کے خدمت کا صلہ طلب کرنے سے باز رکھتی ہے۔کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے۔جب یہ دونوں شانیں اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ جاتی ہیں تو مومن (عاشق) کے اندر حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی پختگی سیرت کا رنگ جھلکنے لگتا ہے۔یعنی مومن صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے زندہ رہتا ہے اور چونکہ اس کا مقصد حیات رضائے الٰہی ہوتی ہے۔اس لیے وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی لطف و کرم سے پیش آتا ہے۔یہ معنی ہیں "ظرف کے "یعنی مومن کے قلب میں اس قدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ ساری کائنات اس میں سما جاتی ہے اور دشمن تک اس کے خوانِ کرم سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔

یوسف سلیم چشتی نے ظرف حیدر رضی اللہ عنہ کو ایک تاریخی مثال سے واضح کیا ہے۔

---

[1] ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، **اقبال کے نجوم ہدایت**، ص:118

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:411

جب لوگ ابن ملجم (قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے ان کی خدمت میں لائے تو اس کو دیکھ کر انھوں نے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا یعنی لوگوں سے کہا یہ شخص پیاسا معلوم ہوتا ہے اس کو پانی پلاؤ۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید نھیں بلکہ یقیناً اپنے قاتل کو ملامت کرتا یا اس کے ساتھ بدسلوکی روا رکھتا۔ لیکن جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن ملجم کو دیکھا تو انھیں قاتل نظر نھیں آیا بلکہ ایک ایسا انسان نظر آیا جو پیاسا تھا۔ اس لیے انھوں نے ذاتی جذبہ انتقام سے قطع نظر کر لی اور ایک انسان کی تکلیف رفع کرنے کا حکم دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل کو نہ سمجھ سکے۔ وہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کا مفہوم بھی نھیں سمجھ سکتا۔

"؎ آدمیت احترام آدمی — باخبر شو از مقام آدمی"

جس چیز نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے دشمن بلکہ قاتل کے ساتھ حسن سلوک پر آمادہ کر دیا اسی کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے "ظرف حیدر" سے تعبیر کیا ہے اور یہ "ظرف" اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب مومن میں شان جمال اور شان جلال دونوں مرتبہ کمال کو پہنچ جائیں اور یہ مرتبہ جناب علی رضی اللہ عنہ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی بدولت حاصل ہوا تھا۔"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جن موضوعات پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اس میں عشق بھی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جس عشق کی بات کرتے ہیں اس کی عملی تفسیر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عشق اپنے روپ بدل بدل کر آتا رہتا ہے۔ اس کا روپ بدلنا لوگوں کے لیے نفع بخش ہے۔ کیونکہ دنیا میں میں مختلف طبیعتوں کے لوگ پائے جاتے ہیں اور ان کی طبیعتوں میں تبدیلی مختلف واقعات سے رونما ہوتی ہے۔ کبھی تو عشق خلوت پسندی میں سامنے آتا ہے اور کبھی ارباب انجمن بن کر کبھی عشق محراب و منبر پر امیر و قاضی بن کر سامنے آتا ہے اور کبھی فاتح خیبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو عشق و مستی کا کمال تصور کرتے ہیں۔ اس رباعی میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پیغام دیا ہے کہ رضائے الٰہی کی خاطر اپنا تن من قربان کرنا عشق و مستی پر کمال ہے اور عمل سے پہلو تہی کرنا اس کا زوال ہے۔ اس لیے مقصد حیات کے لیے کوشش و سعی کرتے ہیں تاکہ کامیابی مل سکے۔

"؎ کبھی تنہائیِ کوہ و دمن عشق — کبھی سوز و سرور و انجمن عشق!

کبھی سرمایہ محراب و منبر — کبھی مولا علی رضی اللہ عنہ خیبر شکن عشق"[2]

---

[1] یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، **شرح بانگ درا**، ص:472

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:353

اقبال رحمۃ اللہ علیہ صرف شاعر ہی نہیں تھے بلکہ ایک بہت بڑے مصلح تھے خصوصاً امت مسلمہ کا درد ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ امت کے مرد و عورتوں کو وہ خواب غفلت سے جگانے کے لیے اپنے اشعار وسیلے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن امت کے جس طبقے پر ان کی نگاہ خاص تھی وہ نوجوان ملت اسلامیہ تھے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے سخت نالاں تھے کہ ملت اسلامیہ کے نوجوان اپنے اسلاف کے کی زندگیوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لیے انھوں نے بال جبریل میں ایک نظم جس کا عنوان "ایک نوجوان کے نام" اس نظم میں جہاں نوجوان کو بہت سی پند و نصائح کی گئی ہیں وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس کی زندگی کے ایک پہلو یعنی "زور حیدری" کو عنوان بنایا گیا ہے۔ چونکہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قوت حیدری اور استغنائے سلمانی کے بغیر سلطنت اور حکومت بے کار ہو جاتی ہیں۔

"امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل — نہ زورِ حیدری رحمۃ اللہ علیہ تجھ میں نہ استغنائے سلمانیؓ"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نظم "ساقی نامہ" میں اللہ کے حضور دست بدعا ہیں کہ یا اللہ تو عشق مصطفٰی عطا کر چونکہ مسلمان اس سے خالی ہیں۔ مغربی تہذیب کے دلدادہ نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ کی مدد و نصرت سے محروم ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی عملی مثال کے لیے دو اصحاب رسول رضی اللہ عنہ کو نمونہ بنایا ہے کہ جو واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں غرق تھے۔ ان میں ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور دوسرا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں آپ اللہ سے اس محبت کی طلب ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے — دلِ مرتضی رضی اللہ عنہ سوزِ صدیق رضی اللہ عنہ دے"[2]

ضرب کلیم میں ایک نظم بعنوان "ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام" میں اسی اسلامی تہذیب شخصی کو یاد کیا ہے۔ یہ نظم امت کے اصلاح احوال میں لکھی گئی۔ گو ظاہراً ایک فلسفہ زدہ سید زادہ کے خیالات کی اصلاح کے لیے لکھی تھی۔ اس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اہم سبق دیا ہے کہ وحی کے مقابلے میں عقل انسانی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ فلسفی جن مسائل کو لے کر الجھ بیٹھے زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہاں پر بھی سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مثال کے طور سامنے لاتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ کیسے انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد کی تکمیل کی اور وہ ہر حکم کو پورا کرنے میں اپنی کامیابی و کامرانی سمجھتے تھے۔

"دل در سخنِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بند — اے پورِ علی رضی اللہ عنہ ز بو علی چند"[3]

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ایک نوجوان کے نام، ص:445

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ساقی نامہ، ص:449

[3] کلیات اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام، ص:530

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے احوال سے اشعار میں جو تراکیب بہت کثرت سے استعمال ہوئی ہیں ان میں "فقر حیدری "بہت تکرار میں رہا ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ "فقر "سے محبت کرتے ہیں اس لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صفت کو ایک بہت بڑی قوت قرار دیتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ اگر یہ فقر کی قوت مسلمانوں کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرح فتوحات بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

فقر حیدری رضی اللہ عنہ ایک انداز فکر بھی ہے اور طرز زندگی بھی فقر حیدری رضی اللہ عنہ کچھ بھی نہ رکھتے ہوئے سب کچھ رکھنے کا نام ہے۔یہ ایک ایسی بے نیازی، خود داری اور پر عزم زندگی کی علامت ہے جس میں بندہ مومن سراپا عقیدہ توحید اور سر گرمی عمل بن جاتا ہے جو باطل کی کسی قوت کو خاطر میں نھیں لاتا۔لیکن حق کی ہر قوت اس کے دل میں ہوتی ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فقر حیدری توحید سے گہرا ربط رکھتا ہے۔توحید اصل ایمان بلکہ ایمان کا حرف اول ہے۔لیکن فقر اس ایمان کا حرف ثانی ہے جہاں توحید بندہ مومن کو تمام معبودان باطل کے خوف سے بے نیاز کرتی ہے۔وہاں وہ بندہ مومن دنیا کی تمام آلائشوں سے بے نیاز کر کے گروہ آزاداں کی دنیا میں لے آتا ہے۔جہاں غیر اللہ کا خوف اور دنیا و مافیھا کے لالچ نام کی کوئی چیز نھیں ہوتی۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ توحید کو اسلام کی خشت اول اور فقر کو خشت ثانی قرار دیتے ہیں۔ان کے خیال میں فولادی شمشیر جگر دار بیت کے مصرعہ اول کی حیثیت رکھتی ہے جو توحید کے اسرار کا امین ہے۔لیکن شمشیرِ فقر اس بیت کا مصرعہ ثانی ہے۔گویا شریعت ایک بیت اور توحید و فقر اس کے دو مصرعے ہیں۔توحید ایک پر اثر قوت ہے جب کہ فقر اس کا منطقی نتیجہ ہے۔فقر و توحید کے امتزاج سے ہی بندہ مومن کبھی خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ اور کبھی حیدر کرار رضی اللہ عنہ بنتا ہے۔

اس کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ یوں بیان کرتے ہیں:

"سوچا بھی اے مردِ مسلمان کبھی تو نے — کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر جگر دار

اس بیت کا یہ مصرع اول ہے کہ جس میں — پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار!

ہے فکر مجھے مصرع ثانی کی زیادہ — اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن — یا خالد رضی اللہ عنہ جانباز ہے یا حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ"[1]

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، آزادیِ شمشیر کے اعلان پر، ص:539

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے جن القابات کا استعمال زیادہ کیا ہے۔ان میں "زور حیدری" بھی کئی بار آیا ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ سب سے بڑی دولت ہے۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ ساری دنیا کی دولت کو اس مقابلے میں کچھ اہمیت نہیں دیتے۔بلکہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہاں تک کہہ گئے کہ تمام حکمت و دانش کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے۔نظم جلال و جمال کے شروع میں اس کو یوں بیان کیا ہے۔

"مرے لیے ہے فقط زور حیدری رضی اللہ عنہ کافی　　　ترے نصیب فلاطون کی تیزی ادراک"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقر حیدری رضی اللہ عنہ سے اگر نوجوان ملت یا امت مسلمہ کا ہر فرد متصف ہو جائے تو پھر ملت کے لیے بڑے سے بڑا معرکہ بھی مشکل نہیں ہے اور یہی جوان معاشرہ میں ایک نئی روح پھونک سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ظہور اظہر کہتے ہیں کہ:

"سرمایہ فقر سے شکوہ سلطانی ایسے ہی نوجوان کا مقدر بنتا ہے۔"[2]

مذکورہ بالا ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ذکر کو خاصی اہمیت دی ہے اور اپنے اشعار میں ان کی زندگی اور ان کے طرز عمل و طرز حکمرانی کا ذکر کر کے موجودہ دور کے حکمرانوں اور نوجوانوں کی توجہ مبذول کرائی ہے کہ اپنے اسلاف کا طرز زندگی اور طرز حکومت کو اپنانے سے ہی تم اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہو اور اہل مغرب اور دنیا کے دیگر حکمرانوں کو شکست دے کر پوری دنیا پر حکومت کر سکتے ہو۔

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، جلال و جمال، ص:635

[2] ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، **اقبال کے نجوم ہدایت**، ص:123

# باب سوم:

## اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام میں تذکرۂ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم

### فصل اول:

### اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

### فصل دوم:

### اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام میں تذکرۂ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم

# فصل اول:

## اسلام میں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اہلِ بیت اطہار رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُم کا مقام و مرتبہ

# اسلام میں حضور ﷺ کے اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ

اہلِ بیت سے مراد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا اور نبی کریم ﷺ کی آل و اولاد اور داماد یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ شامل ہیں، بعض آئمہ تفسیر نے اہلِ بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کو قرار دیا ہے۔ لیکن حدیث کی متعدد روایات اس پر شاہد ہیں کہ اہلِ بیت میں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔ ذیل میں اہلِ بیت کا لغوی و اصطلاحی معنی ذکر کیا جاتا ہے۔

**لفظ اہل کا لغوی معنی۔**

**علامہ سعید الخوریؒ لکھتے ہیں:**

"اَهْلَ الرَّجُلِ:عَشِيْرَتُهٗ وَ ذَوُوْ قُرْبَاهُ،اَهْلُ الرَّجُلِ زَوْجَتُهٗ وَاَهْلُ كُلِّ نَبِيٍّ اُمَّتُهٗ وَ اَهْلُ الْبَلَدِ وَ الْبَيْتُ سُكَّانُهٗ۔"[1]

**ترجمہ: مرد کا اہل اس کا خاندان اور اس کے قریبی رشتے دار ہیں، اور رجل کا اہل اس کی بیوی ہوتی ہے اور ہر نبی علیہ السلام کی امت ان کی اہل ہے اور اور اہل گھر اور اہل شہر اس کے رہنے والے ہیں۔**

**لویس معلوف لکھتے ہیں:**

"اَهَلَ(ن ض)اَهْلاًو اُهُوْلاً۔الرَّجُلُ:شادی شده ہونا –امراۃً:نکاح کرنا۔صفت مفعولی (مَاہُوْلَه )اَهِلَ (س)اَهْلاً۔به:انس حاصل کرنا۔اُهِلَ-المكانُ والبلدُ:آباد ہونا۔صفت آہل و ماہُوْل۔آهَلَهٗ اِيْهَالاً-شادی کر دینا۔و آہّلهٗ)للامر :لائق بنانا یا سمجھنا۔"[2]

**علامہ عبد الحفیظ لکھتے ہیں:**

"أهَلّ (ن ض)هْلاًواُهُوْلاً۔ الرَّجُلُ : شادی شده ہونا ۔إمرأة : نکاح کرنا۔ صفت مفعولی( ماهُوْلَة) اهِلَ(س)اهلاً به:انس حاصل کرنا۔أُهِلَ الْمَكَانُ أَوِ الْبَلَدُ :آباد ہونا۔صفتآہل وماھُول۔ أَهَلَهٗ إِيْهَالاً۔ شادی کر دینا_وأهله) للأمر:لائق بنانا یا سمجھنا۔اَهَّلَ بِهٖ:کسی سے أهلاًوسهلاًك ہنا۔تأَهَّلَ وإِتَّهَلَ: شادی شدہ ہونا۔تَاَهَّلَ لِلْأَمْرِ:لائق ہونا۔اِسْتَاهَلَ الشَئ:کسی چیز کا اہل ہونا۔•الرَّجُل :لائق سمجھنا۔ استاهَلَ :پگھلی ہوئی چربی لینا یا کھانا۔"[3]

مذکورہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوا کہ لفظ اہل مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً شادی شدہ ہونا، کسی چیز کا اہل ہونا، گھر والا

---

[1] الخوری، سعید، **اقرب الموارد فی فصح العربیۃ والشوارد**، مکتبہ آیۃ اللہ العظمی المرعشی النجفی، ایران، 1403ھ، ص:1/23

[2] لویس معلوف، **باہتمام حافظ محمد جمیل**، ناشر قاسم پبلی کیشنز اردو بازار کراچی، س۔ن ص:1/37

[3] عبد الحفیظ، **مصباح اللغات**، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، طبع دوم، 1999م، ص42

یا شہر والا ہونا، لائق ہونا، خاندان والا ہونا یا قریبی رشتے دار ہونا۔ مذکورہ موضوع کے حوالے سے معنی گھر والا یا خاندان والا ہونا ہی مراد لیا گیا ہے۔ ذیل میں لفظ بیت کا لغوی معنی بیان کیا جاتا ہے:

## لفظ بیت کا لغوی معنی

**علامہ جوہری ؒبیان کرتے ہیں:**

"البَیْتُ مَعْرُوْفٌ، وَالْجَمْعُ بُیُوتٌ و اَبْیَاتٌ واَبَایِیْتُ عَنْ سِیْبَوَیْهِ،مِثْلُ اَقْوَالٍ وَ اَقَاوِیلَ۔وَ تَصْغِیْرُهٗ بُیَیْتٌ وَ بِیَیْتٌ اَیْضًا بِکَسْرِ اَوَّلِهٖ۔"[1]

ترجمہ: بیت مشہور ہے اور اس کی جمع بیوت اور ابیات اور ابابیت آتی ہے۔ امام سیبویہ کے نزدیک یہ مثل اقوال اور اقاویل کے ہے اور اس کی تصغیر بییت (باء کے ضمہ کے ساتھ) اور بییت بھی آتی ہے (باء کے کسرہ کے ساتھ)۔

**علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:**

"وَالْخِبَاءُ بَیْتٌ صَغِیْرٌ مِنْ صُوْفٍ أَوْ شَعْرٍ، فَإِذَا کَانَ أَکْبَرَ مِنَ الْخِبَاءِ، فَهُوَ بیتٌ، ثُمَّ مُظِلَّةٌ إِذَا کَبِرَتْ عَنِ الْبَیْتِ،وَهِيَ تُسَمّٰی بَیْتاً أَیْضًا إِذَا کَانَ ضَخْمًا مُروقاً۔وَبَیْتُ الرَّجُلِ دَارُهٗ،وَبَیْتُهٗ قَصْرُهٗ۔"[2]

ترجمہ: خیمہ وہ چھوٹا گھر ہے اون اور بالوں سے بنا ہو اپس جب خیمہ سے بڑا ہو تو وہ بیت کہلائے گا، پھر مظلہ کہلائے گا اگر بیت سے بڑا ہو اور اس پر بھی بیت کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے جب بہت بڑا ہو اور مرد کا بیت اس کے گھر کے درو دیوار ہوتے ہیں اور اس کا بیت اس کا محل ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا تعریفات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ بیت کا معنی درو دیوار اور مکان ہیں جس میں اس کے مکین زندگی بسر کرتے ہیں۔ ذیل میں اہلِ بیت کی اصطلاحی تعریف ذکر کی جاتی ہے:

## اہلِ بیت کا اصطلاحی معنی

**ڈاکٹر سعدی ابو حبیب لکھتے ہیں:**

"إِنَّ الأَهْلَ یُعَبِّرُ بِهِ عَنَّ الْقَرَابَةَ، وَالآلَ یُعَبِّرُ بِهِ عَنْ الْإِتَبَاعِ فِي الْدِیْنِ .أَهْلَ الْبِیْتِ الرَجُلِ عِنْدَ الْحَنْفِیَّةِ: کُلُّ مَنْ یّناسبه بآبائه إلى أقصى أب له في الاسلام، وهو الذي أدرك الاسلام، أسلم أولم یسلم، فكل من يناسبه إلى هذا الأب من الرجال والنساء والصبيان فهو من أهل بيته .ومعنى يناسبه: يشاركه في نسبه۔"[3]

ترجمہ: بے شک اہل، قرابت سے تعبیر کئے جاتے ہیں اور آل، دین میں پیروی سے تعبیر کی جاتی ہے۔ احناف کے نزدیک کسی مرد کی اہلِ بیت سے مراد ہر ایسا شخص ہے جس کی نسبت ہو اس کے آباء کے ساتھ اوپر تک کے باپ

---

[1] الجوهری، اسماعیل بن حمّاد، **الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ**، (دار العلم للملایین، بیروت، طبع دوم، 1979م)، ص:2/244

[2] ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، **لسان العرب**، (دار صادر، بیروت، طبع اول، 1300ھ)، ص:2/14

[3] سعدی، ابو حبیب، ڈاکٹر، **القاموس الفقہی**، (ناشر، دار الفکر، دمشق، سوریا، طبع دوم، 1988م)، ص:29

تک (یعنی دادا پر دادا) اسلام میں اور وہ ایسا شخص ہے جس نے اسلام کو پایا ہو پھر خواہ اسلام لایا ہو یا نہ لایا ہو۔ پس ہر ایسا شخص جو منسوب ہو اس باپ کی طرف مردوں میں سے اور عورتوں میں سے اور بچوں میں سے پس وہ اس کے اہل بیت کہلائیں گے جو نسب میں اس کے ساتھ شریک ہوں گے۔

**مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ بیت، عربی زبان میں گھر کو کہتے ہیں اور اہل، گھر والوں یا رشتے داروں کو کہتے ہیں۔**

**امام راغب اصفہانی کے مطابق اہلِ بیت کی تعریف کچھ یوں ہے:**

"آهل الرجل من يجمعه واياهم نسب او دين او مايجري مجراهما من صناعة و بيت و بلد فاهل الرجل في الاصل من يجمعه و اياهم مسكن واحد ثم تجوز به فقيل اهل بيت الرجل لمن يجمعه اياهم نسب و تعورف في اسرة النبي ﷺ مطلقا اذا قبل اهل البيت وغير باهل الرجل عن امراته و اهل الاسلام الذين يجمعهم ولما كانت الشريعة حكمت برفع حكم النسب في كثير من الاحكام بين المسلم و الكافر[1] قال تعالىٰ ﴿إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾"[2]

ترجمہ: کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہیں جو اس کے نسب یا دین یا پیشہ یا گھر یا شہر میں شریک اور شامل ہوں۔ لغت میں کسی شخص کے اہل وہ لوگ ہیں جو کسی کے گھر میں رہتے ہوں پھر مجازاً جو لوگ اس کے نسب میں شریک ہوں ان کو بھی اس کے اہل کہا جاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے خاندان کے لوگوں کو بھی مطلق اہلِ بیت کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے (بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول ﷺ کے) اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک دور کر دے) کسی شخص کی بیوی کو اس کے اہل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اہل اسلام ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو سب انسانوں کے ماننے والے ہوں۔ چونکہ اسلام نے مسلم اور کافر کے درمیان نسب کا رشتہ منقطع کر دیا ہے (اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا بیشک وہ تیرے گھر والوں میں شامل نہیں کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے)۔

حسین بن محمد راغب اصفہانی کی بیان کردہ رائے کے تناظر میں دیکھا جائے تو کسی شخص کے اہل میں، اس کے نسب، دین، پیشہ، گھر، شہر میں شریک لوگ یا اس کے خاندان والے شامل ہوں گے لیکن جب اہلِ بیت رسول ﷺ کا تذکرہ آتا ہے تو اس میں دین، پیشہ یا شہر کے لوگ شامل نہیں کیے جاتے بلکہ مخصوص شخصیات کو زمرہ اہلِ بیت میں شامل کیا جاتا ہے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی آخر، حضرت محمد مصطفی ﷺ کے گھر والوں کو اہلِ بیت النبوۃ ہونے کی وجہ سے اسلامی ادب میں اصطلاحی طور پر اہلِ بیت کہا جاتا ہے۔ قبل اس سے کہ اہلِ بیت رسول ﷺ کے متعلق گزارشات کا آغاز کیا جائے، قرآن

---

[1] سورۃ الھود: 11/46

[2] الاصفہانی، **راغب المفردات فی غریب القرآن**، (بیروت لبنان، دار المعرفۃ، س۔ن) ص: 1/29

کریم میں مذکور لفظ اہل اور اہلِ بیت کے متعلق جائزہ لیا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ کس کس پیرائے میں استعمال ہوئے ہیں۔

## قرآن مجید میں لفظ اہلِ بیت اور اہل کا استعمال

قرآن مجید میں لفظ اہلِ بیت اور اہل مختلف پہلوں سے استعمال ہوا ہے جس کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

﴿قَالُوٓا اَتَعۡجَبِيۡنَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ﴾[1]

ترجمہ: فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کر رہی ہو؟ اے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں اہلِ بیت کا لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سیدہ سارہ سلام اللہ علیہا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کے لیے بھی قرآن مجید میں اہلِ بیت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذۡ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا﴾[2]

ترجمہ: جب موسیٰ علیہ السلام نے (مدین سے واپس مصر آتے ہوئے) ایک آگ دیکھی تو انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم یہاں ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے (یا میں نے ایک آگ میں انس و محبت کا شعلہ پایا ہے)

اسی طرح حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لیے بھی اہلِ بیت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَحَرَّمۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ فَقَالَتۡ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ﴾[3]

ترجمہ: اور ہم نے پہلے ہی سے اس پر (دائیوں کے) دودھ حرام کر دیئے تھے تو موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں کہ تمہارے لیے اس (بچے) کو پالیں اور اس کی خیر خواہی (سے پرورش) کریں۔

عزیز مصر کی بیوی کے لیے بھی اہل کا لفظ استعمال ہوا ہے:

﴿قَالَتۡ مَا جَزَآءُ مَنۡ اَرَادَ بِاَهۡلِكَ سُوۡٓءًا اِلَّاۤ اَنۡ يُّسۡجَنَ اَوۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾[4]

ترجمہ: وہ (فوراً) بول اٹھی کہ اس شخص کی سزا جو تمہاری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اور کیا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ وہ قید کر دیا جائے یا (اسے) دردناک عذاب دیا جائے۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام کی زوجہ اور بچوں کے لیے بھی اہل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

---

[1] سورۃ الھود: 73/11

[2] سورۃ طٰہٰ: 10/20

[3] سورۃ القصص: 28/12

[4] سورۃ یوسف: 12/25

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَاوَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور جو ان کو تکلیف تھی وہ دور کر دی اور ان کو اہل و عیال عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے ان کے ساتھ اتنے ہی اور (بخشے) اور عبادت کرنے والوں کے لیے یہ نصیحت ہے۔

ایک اور جگہ پہ بھی حضرت لوط علیہ السلام کے اہل و عیال کے لیے بھی اہل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا و لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ﴾[2]

ترجمہ: ابراہیم علیہ السلام نے کہا یہ یقینی بات ہے کہ اس بستی میں لوط علیہ السلام بھی ہے انھوں نے کہا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ اس بستی میں کون ہے اور ہم لوط علیہ السلام کو اور اس کے گھر والوں کو ضرور ضرور نجات دے دیں گے سوائے اس کی بیوی کے، وہ رہ جانے والوں میں سے ہے۔

ایک اور مقام پہ حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی ان کے گھر والوں کے لیے اہل کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ـوَ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ﴾[3]

ترجمہ: اور ہم کو نوح نے پکارا، سو ہم خوب فریاد سننے والے ہیں اور ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے بچا لیا۔

مذکورہ بالا قرآنی آیت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآنی ادب میں ازواج اور اولاد دونوں کو اہل بیت میں شامل کیا جاتا رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں جب آپ علیہ السلام کی بیوی اور بیٹا کنعان آپ سے بے وفائی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی کرتے ہیں تو حضرت نوح علیہ السلام ان کی بخشش و نجات کے لیے بارگاہِ تخلیق عالم میں دعا فرماتے ہیں۔

آپ علیہ السلام کی دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

﴿ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ أَهْلَكَ إِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾[4]

---

[1] سورۃ الانبیاء: 21/84

[2] سورۃ العنکبوت: 29/32

[3] سورۃ الصافات: 37/75، 76

[4] سورۃ ہود: 11/46

ترجمہ: اللہ نے جواب دیا نوح علیہ السلام! وہ تیرے اہل میں سے نہیں تھا کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے۔

**گویا اللہ تعالیٰ کی نظر میں کسی نبی اللہ سے محض نسبت ہونا کافی ہے بلکہ نبی اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری بھی از حد ضروری ہے۔ امت مسلمہ میں یہ بحث کئی صدیوں پر محیط ہے کہ اہلِ بیت رسول رضی اللہ عنہم سے مراد کون سے افراد ہیں اور اس اصطلاح میں کون کون سی شخصیات شامل ہیں۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہلِ بیت رسول رضی اللہ عنہم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات،**

**آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیٹیاں، تمام بیٹے، نواسے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ لیکن عمومی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمیت پانچ اشخاص رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ذیل میں قرآن کریم کی روشنی میں اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ ذکر کیا جاتا ہے:**

**قرآن مجید کی روشنی میں اھل بیت کا مقام مرتبہ:**

**اہلِ بیت رضی اللہ عنہم ایسی برگزیدہ ہستیاں ہیں کہ جن کی پاکی کا تذکرہ اللہ رب العزت نے قران پاک میں فرمایا ہے اور ضمنا قرآن پاک میں ان کے تقوی اور پرہیزگاری کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب شخصیات ہیں جن کی فضیلت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر تعداد میں ارشادات و فرمودات بیان فرمائے ہیں، ذخیرہ احادیث اس پر دال ہے۔ ذیل میں اہلِ بیت اطہار کی شان و مرتبہ کے متعلق آیات کا ذکر کیا جاتا ہے:**

**ارشاد باری تعالیٰ ہے:**

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾[1]

ترجمہ: بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔

**امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:**

"يَقُوْلُ:إِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ السُّوْءَ وَالْفَحشَاءَ يَا أَهْلَ بَيْتِ محمدٍ وَيُطَهِّرَكم مِن الدنسِ الذي يَكُوْنُ فِي أَهْلِ معاصي۔وبنحو الذي قلنا في ذلك قال أهل التأويل:فَهُمْ أهلُ بَيْتٍ طَهَّرَهُمُ اللهُ مِن السوءِ ، وخصَّهم برحمةٍ منه،قال ابنُ زيدٍ فِي قَوْلِه:الرجسُ هَهُنَا الشيطانُ،وسوى ذلك من الرجسِ الشرُّ۔واختلَف أهلُ التَأوِيْلِ فِي الذين عُنوا[2]بقولِه:﴿أَهْلَ الْبَيْتِ﴾[3]فقال بعضُهُمْ:عُنِى به رسولُ اللهِ ﷺ،وعلىَّ، وفاطمةُ، والحسنُ والحسينُ ، رِضوانُ اللهِ عَلَيْهِمْ .ذكرُ مَن قال ذلك عَنْ أَبِيْ سعيدٍ الخدري،قال: قال رسولُ اللهِ

---

[1] سورۃ الاحزاب:33/33

[2] طبری، محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل آی القرآن**، (مکتبہ ھجر، قاہرہ، طبع اول، 2001م)، 19/102، 101

[3] سورۃ الاحزاب:33/33

ﷺ:(نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ فِيْ خَمْسَةٍ:فِي فِيَّ وَعَلِيٍّ رضى اللهُ عنه ، و حسنِ رَضِى اللهُ عَنْهُ ، وَحُسينِ رضِىَ اللهُ عَنْهُ، وَفَاطِمَةَ رَضِي اللهُ عنها)"

ترجمہ:فرماتے ہیں کہ: اللہ رب العزت ارادہ فرماتا ہے کہ اے اہلِ بیت محمد رضی اللہ عنہم تم سے برائی اور بے حیائی کو لے جائے اور پاک کر دے تم کو گنہگاروں کی میل کچیل سے۔اور اس طریقے پر جو ہم کہتے ہیں کہ اہل تاویل ذکر کرتے ہیں کہ وہ اہلِ بیت ہیں کہ پاک کر دیا ان کو اللہ تعالیٰ نے برائی سے اور خاص فرمادیا ان کو اپنی رحمت کے ساتھ۔اور ابن زید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں رجس سے مراد شیطان ہے اور رجس کے علاوہ سے مراد برائی ہے۔اور اہل تاویل نے اللہ رب العزت کے فرمان "گھر والوں" کے متعلق اہل تاویل نے اختلاف کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ،اور علی المرتضیٰ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا اور امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہم مراد لیے گئے ہیں۔اور اسی کے متعلق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ آیت کریمہ پانچ شخصیات کے متعلق نازل ہوئی،میرے متعلق،اور علی رضی اللہ عنہ کے متعلق اور حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق اور حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی۔

مذکورہ بالا عبارت میں امام ابن جریر نے دو چیزوں کی نشاندہی کی ہے پہلی چیز رجس کے معنی کے متعلق ہے کہ رجس کے دو مختلف معانی ہیں،ایک معنی برائی اور بے حیائی مراد لیا گیا ہے اور دوسرا معنی رجس کا برائی اور شیطان مراد لیا گیا ہے اس کے بعد امام ابن جریر لفظ اہلِ بیت کے محمل کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس لفظ کے محمل میں اختلاف ہے اور پھر ایک جانب کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور سیدہ کائنات سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی اعلی اور ارفع ذاتیں مراد ہیں اور پھر اپنے اسی موقف کی تائید میں احادیث اور روایات ذکر کرتے ہیں۔

امام ابن کثیر اسی آیت کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

"هذا نص في دخول أزواج النبیﷺفي أهل البيت هٰهنا؛لأنهن سبب نزول هذه الآية،وروى ابن جرير:عن عكرمة أنه كان ينادي في السوق:نزلت في نساء النبی ﷺ خاصة ، وهكذا روى ابن أبي حاتم،عن عكرمة عن ابن عباس في قوله :قال:نزلت في نساء النبی ﷺ خاصة۔وقال عكرمة:أنها نزلت في أزواج النبی ﷺ۔وإن أريد أنهن المراد فقط دون غيرهن ففي هذا نظر؛فإنه قد وردت أحاديث تدل على أن المراد أعم من ذلك[1]: الحديث الأول:قال الإمام أحمد:عن أنس ابن مالك،رضي الله عنه،قال:(إن رسول الله ﷺ كان يمر بباب فاطمة ستة أشهرإذا خرج إلى صلاة الفجر،يقول:الصلاة يا أهل البيت)﴿إِنَّمَايُرِيْدُاللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ البَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾[2]"

---

[1] ابن کثیر،اسماعیل بن عمر،**تفسیر القرآن العظیم**،(دار صادر،بیروت،طبع چہارم،2006م)،6/411،410

[2] سورۃ الاحزاب:33/33

ترجمہ: یہ آیت کریمہ نص ہے ازواج نبی رضی اللہ عنہا کے اہلِ بیت میں داخل ہونے کے متعلق، کیونکہ اس آیت کا سبب نزول بھی یہی ہے۔ ابن جریر سے روایت کی جاتی ہے، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی آیت کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ یہ آیت خاص طور پر ازواج النبی رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی۔ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ خود بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت ازواج النبی رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی۔ اگر یہ مراد لی جائے کہ اس آیت سے مراد صرف ازواج النبی رضی اللہ عنہا ہیں اور کوئی مراد نھیں ہے تو یہ بات محل نظر ہے کیونکہ متعدد احادیث اس بارے میں نازل ہوئیں کہ اس آیت کا شان نزول عمومی ہے۔ پہلی حدیث جس کو امام احمد بن حنبلؒ نے ذکر کیا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھ ماہ تک صبح کی نماز کے وقت جب سیدہ خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے دروازے پر گذرتے تو فرماتے نماز (کا وقت ہوگیا) اے اہلِ بیت (اور پھر اس آیت کی تلاوت فرماتے) بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔

**مذکورہ بالا عبارت میں امام ابن کثیر متعینہ آیت میں لفظ اہلِ بیت کے محمل اور مصداق سے متعلق دو باتیں ذکر کرتے ہیں۔ اولا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اہلِ بیت سے مراد امہات المومنین رضی اللہ عنہا مراد ہیں اور اس آیت کا سبب نزول بھی یہی ہے۔ پھر امام ابن کثیر اپنے اس دعوے پر مختلف روایات اور شخصیات کے اقوال ذکر کرتے ہیں اس کے بعد خود فرماتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ لفظ اہلِ بیت سے مراد صرف امہات المومنین ہیں اور کوئی مراد نھیں ہے تو یہ بات قابل اعتراض ہے کیونکہ اس آیت کو عموماً ذکر کیا گیا ہے۔ اس بات کے ذکر کرنے کے بعد امام ابن کثیر اس آیت کا مصداق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی شیر خدا اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین اور سیدہ خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم کو ٹھہراتے ہیں اور اپنے اس دوسرے دعوے کی تائید میں بھی احادیث ذکر کرتے ہیں۔ ان دو مختلف نظریات کو ذکر کرے امام ابن کثیر مطلق چھوڑ دیتے ہیں اپنا واضح موقف ذکر نھیں فرماتے۔**

**دوسری آیت مبارکہ جو اہلِ بیت کے متعلق ہے وہ یہ ہے:**

﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾[1]

ترجمہ: فرما دیجیے میں اِس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اُجرت نھیں مانگتا مگر میری قرابت سے محبت چاہتا ہوں۔

**اس آیت کے متعلق امام بغوی فرماتے ہیں:**

"قَالَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْر: قُرْبىٰ آل محمد ﷺ، وإليه ذهب مجاهد، و قتادة، و عكرمة، و مقاتل، و السدي والضحاك، رضى الله عنهم. وقال بعضهم: معناه إلا أن تودوا قرابتي

[1] سورۃ الشوری: 42/23

وعترتي وتحفظوني فيهم،واختلفوا في قرابته قيل:هم فاطمة وعلي وأبناؤهما، وفيهم نزل:وروينا عن زيد بن أرقم عن النبيﷺقال:(إني تارك فيكم الثقلين كتاب الله وأهل بيتى أذكركم الله أهل بيتي)[1]قيل لزيد بن أرقم من أهل بيته ؟ قال : هم آل علي وآل عقيل وآل جعفر وآل عباس۔"[2]

ترجمہ:حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، قربیٰ آل محمد ﷺ ہیں۔اور امام مجاہد اور حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ اور حضرت مقاتل اور امام سدی اور امام ضحاک رضی اللہ عنہم سب اسی طرف گئے ہیں اور بعض نے کہا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میری قرابت کا اور میرے رشتے داروں کا خیال کرو اور میری وجہ سے ان کی حفاظت کرو(یعنی محبت و احترام کرو)۔اور قرابت کے معنی میں اختلاف کیا گیا،بعض نے کہا کہ اس سے مراد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے دو بیٹے رضی اللہ عنہما ہیں اور انہی کے متعلق آیت نازل ہوئی۔اور ہم نے روایت کیا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:بے شک میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جارہا ہوں،کتاب اللہ اور میری اہلِ بیت،میں تمہیں اپنی اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کا خوف دلاتا ہوں۔زید بن ارقم سے بعض نے روایت کیا اور پوچھا کہ اہلِ بیت سے مراد کون ہیں تو فرمایا وہ آل علی رضی اللہ عنہم اور آل عقیل رضی اللہ عنہم اور آل جعفر رضی اللہ عنہم اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔

**محمد عبد الحق اندلسی لکھتے ہیں:**

اختلف الناس في معناه،وقال ابن عباس أيضاً ما يقتضي أنها مدنية، وسببها أن قوما من شباب الأنصار فاخروا المهاجرين ومالوا بالقول على قريش، فنزلت الآية في ذلك على معنى إلا أن تودوني فتراعوني في قرابتي وتحفظوني فيهم ، وقال بهذا المعنى في الآية علي بن الحسين بن علي بن ابي طالب رضي الله عنهم ، واستشهد بالآية حين سيق إلى الشام أسيراً، وهو تأويل ابن جبير وعمرو بن شعيب، وعلى هذا التأويل قال ابن عباس(قيل يا رسول الله،من قرابتك الذين أمرنا بمودتهم؟ فقال:علي وفاطمة وابناهما)[3] وقيل هو ولد عبد المطلب۔[4]

ترجمہ:اور علماء نے اس آیت کے معنی میں اختلاف کیا ہے،ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے اور سبب اس کا یہ ہے کہ انصار کے نوجوان مہاجرین پر فخر کیا کرتے تھے اور باتوں سے ان پر میلان اور دبدبہ قائم کرتے تھے پس یہ آیت اسی معنی میں نازل ہوئی کہ تم میرا خیال رکھو میری رشتے داروں کے متعلق اور میری حفاظت کرو ان میں(یعنی ان کا ادب واحترام کرو میری وجہ سے)اور فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی اور مصداق حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم بن ابی طالب ہیں اور استشہاد کیا اس آیت سے جس وقت انھیں قیدی بنا کر ملک شام لے جایا جارہا تھا اور (اس

---

[1] طبرانی،سلیمان بن احمد،**المعجم الکبیر**،(مکتبہ ابن تیمیہ القاہرہ،مصر،طبع اول1404ھ)،3/63حدیث نمبر:2679

[2] بغوی،ابی محمد حسین بن مسعود،**تفسیر بغوی معالم تنزیل**،(دار طیبہ،شارع عسیر،الریاض1409ھ)،7/191،190

[3] طبرانی،سلیمان بن احمد،**المعجم الکبیر**،(مکتبہ ابن تیمیہ القاہرہ،مصر،طبع اول1404ھ)،11/444،حدیث نمبر:12259

[4] ابن عطیہ،محمد عبد الحق بن غالب،الاندلسی،**المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز**،(دار الکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،طبع اول2001م)،5/35،34

معنی کی) تاویل ابن جبیر اور عمرو بن شعیب نے کی ہے اور اس تاویل پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر کی ہے حدیث کے ذریعے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے پوچھا گیا کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے قرابت دار کون ہیں جن سے ہمیں محبت کرنے کا حکم دیا گیا؟ پس فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کہ وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان کے دو بیٹے رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ قرابت سے مراد حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں۔

مذکورہ بالا مفسرین کی کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول ایک تو یہ ہے کہ اس میں قرابت داروں سے محبت کرنے ان کا خیال رکھنے اور ان کا ادب و احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرا قربیٰ کے مصداق میں اختلاف ہے کہ قربیٰ کون کون لوگ ہیں تو اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مشہور قول یہی ہے کہ اس سے مراد ازواج مطہرات النبی رضی اللہ عنہا، حضرت علی المرتضیٰ حضرت سیدہ خاتون جنت، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم مراد ہیں اور ایک قول کے مطابق قربیٰ سے مراد آل علی رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس رضی اللہ عنہم بھی مراد ہیں، بعض کے نزدیک اس سے مراد علی بن حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور بعض کے نزدیک اس سے مراد حضرت عبد المطلب کی ساری مسلمان اولاد مراد ہے۔

## احادیث مبارکہ میں اہلِ بیت کا مقام و مرتبہ۔

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مذکورہ بالا آیتیں ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئیں ہیں اور اہلِ بیت سے وہی مراد ہیں یہ دوسرے حضرات کے اہلِ بیت میں شامل ہونے کے منافی نہیں۔ احادیث مبارکہ میں اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے مستقل فضائل وارد ہوئے ہیں اور ان سے محبت ایمان کی علامت ہے اور اہلِ بیت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہی داخل ہیں اور عمومی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی درجہ بندی میں سب سے پہلے چاروں خلفاء راشدین بالترتیب پھر عشرہ مبشرہ پھر اصحاب بدر اس کے بعد اصحاب احد اور پھر بیعت رضوان کے شرکاء اور اس کے بعد فتح مکہ اور اس کے بعد مسلمان ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شمار ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمومی فضائل اور تمام درجہ بندیوں میں جو جو اہلِ بیت شامل ہیں وہ فضائل ان کے بھی ہیں۔ ذیل میں اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی شان میں ذکر کردہ احادیث میں سے چند حدیثوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

((فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ:إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هَذَا الْمَالُ يَعْنِيْ مَالَ اللهِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَزِيْدُوْا عَلَى الْمَأْكَلِ وَإِنِيْ وَاللهِ اِلَّا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَاتِ النَّبِيِّ ﷺ اَلَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهَا فِيْ عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَلَأَعْمَلَنَّ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ فِيْهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَتَشَهَّدَ عَلِيٌّ ثُمَّ قَالَ: إِنَّا قَدْ عَرَفْنَا يَا أَبَا بَكْرٍ! فَضِيْلَتَكَ وَذَكَرَ قَرَابَتَهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَحَقَّهُمْ فَتَكَلَّمَ أَبُوْ بَكْرٍ فَقَالَ: وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ! لَقَرَابَةُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَحَبُ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِيْ))[1]

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ، ص:5/21، حدیث نمبر 3712

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے ہیں کہ ہماری میراث نہیں ہوتی۔ ہم (انبیاء علیہم السلام) جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور یہ کہ آل محمد کے اخراجات اس مال میں سے پورے کئے جائیں مگر انھیں یہ حق نہیں ہوگا کہ کھانے کے علاوہ اور کچھ تصرف کریں اور میں خدا کی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے جو آپ کے زمانے میں ہوا کرتے تھے ان میں کوئی رد و بدل نہیں کروں گا بلکہ وہی نظام جاری رکھوں گا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے، اے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم آپ کی فضیلت و مرتبہ کا اقرار کرتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت کا اور اپنے حق کا ذکر کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت والوں سے سلوک کرنا مجھ کو اپنی قرابت والوں کے ساتھ سلوک کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

**ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:**

((عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ قَالَ: ارْقُبُوْا مُحَمَّدًا فِيْ أَهْلِ بَيْتِهِ))[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی جاتی ہے، وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آپ کے اہل بیت میں رکھو۔

**اہل بیت رضی اللہ عنہم کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک میں لیتے ہوئے فرمایا:**

((عَنْ عَائِشَةَ □ قَالَتْ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُّرَحَّلٌ مِّنْ شَعْرٍ أَسْوَدَ فَجَآءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَأَدْخَلَهُ ثُمَّ جَآءَ الْحُسِيْنُ فَدَخَلَ مَعَهُ ثُمَّ جَآءَتْ فَاطِمَةُ فَأَدْخَلَهُ ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ فَأَدْخَلَهُ ثُمَّ قَالَ))[2]: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ البَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ ﴾[3]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چادر اوڑھے ہوئے ان کو بھی اندر کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے ان کو بھی اندر کر لیا۔ بعد اس کے فرمایا﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ البَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾[4] یعنی اللہ تعالی جل جلالہ چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے ناپاکی کو اور پاک کرے تم کو اے گھر تھے جس پر کجاووں کی صورتیں یا ہانڈیوں کی صورتیں بنی ہوئی تھیں کالے بالوں کی۔ اتنے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس چادر کے اندر کر لیا، پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے ان کو بھی اندر کر لیا۔ پھر فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں والو!"

## حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا تعارف

---

[1] صحیح بخاری، **کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم**، ص:5/21، حدیث نمبر 3713

[2] صحیح مسلم، **باب فضائل اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم**، 7/130، حدیث نمبر: 4241

[3] سورۃ الاحزاب: 33/33

[4] سورۃ الاحزاب: 33/33

آپ رضی اللہ عنہ سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے گلشن تطہیر کے مہکتے پھول، اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے نور راکب دوش مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور سردار امت ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح فرما کر نہ صرف نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کو سچ ثابت کیا بلکہ مسلمانوں کو بہت بڑے فتنہ وفساد سے بچالیا۔ ذیل میں آپ رضی اللہ عنہ کا تعارف ذکر کیا جاتا ہے۔

"الحَسَنُ بْنُ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبِ القُرَشِيُّ الهَاشِمِيُّ،اَبُوْ مُحَمْد،سِبطُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺوَرِيْحَانَتُهُ مِنَ الدُّنيَا وَ اَحْدُ سَيْدَيْ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔وُلِدَ فِيْ النِّصْفِ مِنْ رَمْضَان سَنَةُ ثَلَاثَ مِنَ الْهِجْرَةِ،هَذَا اَصَّحُ مَا قِيْلَ فِيْهِ اِنْ شَاءاللّٰهُ۔روى عَنْ جَدّه رَسُوْلِ اللهِ ﷺوَ عَنْ اَخِيْهِ الحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبِ ،وَ اَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبِ ،وَ خَالِهِ هِنْدِ بْنِ اَبِيْ هَالة التَّمِيْمِيِّ۔"[1]

ترجمہ: حسن بن علی رضی اللہ عنہما بن ابو طالب قرشی ہاشمی، (کنیت) ابو محمد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں اور دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو ہیں اور جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں اور تین ہجری، پندرہ رمضان المبارک کو پیدا ہوئے اور آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے متعلق اقوال میں سے یہ زیادہ صحیح قول ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے بھائی امام حسین رضی اللہ عنہ اور اپنے والد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ تمیمی رضی اللہ عنہ سے روایات ذکر کی ہیں۔

**حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا حدیث مبارکہ کی رو سے مقام مرتبہ**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کبھی اپنی آغوش میں لیتے تو کبھی مبارک کندھے پر سوار کئے ہوئے گھر سے باہر تشریف لاتے، ان کی معمولی سے تکلیف پر بے قرار ہو جاتے، ان کو دیکھنے اور ان کو پیار کرنے کے لیے سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے۔ ذیل میں امام حسن رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد احادیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

((حَدَّثَنَا صَدَقَةُ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، حَدَّثَنَا أَبُوْ مُوْسَى عَنِ الْحَسَنِ أَنَّهُ سَمِعَ اَبَا بكْرَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ وَالحَسَنُ إِلَى جَنْبِهِ يَنْظُرُ إِلَى النَّاسِ مَرَّةً وَإِلَيْهِ مَرَّةً وَيَقُوْلُ:(ابْنِيْ هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصلحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ)).[2]

ترجمہ: ہم سے صدقہ نے بیان کیا، کہا ہم سے ابن عیینہ نے بیان کیا، کہا ہم سے ابو موسی نے بیان کیا، ان سے حسن نے، انھوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سنا اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے۔ آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اور فرماتے: "میرا یہ بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

[1] مزی، جمال الدین، ابو الحجاج یوسف، **تهذیب الکمال، فی اسماء الرجال**، (موسسۃ السالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، طبع دوم، 1983م)، 6/221،220

[2] صحیح بخاری، **کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم**، ص: 5/26، حدیث نمبر 3746

**ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے:**

((عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُهُ وَالْحَسَنَ وَيَقُوْلُ:اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا أَوْ كَمَا قَالَ))[1]

*ترجمہ: اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اور حسن رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! مجھے ان سے محبت ہے تو بھی ان سے محبت رکھے۔*

**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والوں کے لیے اللہ کا محبوب بننے کی دعا مانگی۔**

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لِحَسَنٍ اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَأَحْبِبْ مَنْ يُحِبُّهُ))[2]

*ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگتے ہوئے عرض کیا یا اللہ بے شک میں اس (امام حسن رضی اللہ عنہ) سے محبت کرتا ہوں پس آپ بھی اس سے محبت فرمائیے اور اس سے بھی محبت فرمایئے جو اس سے محبت کرے۔*

## امام حسین رضی اللہ عنہ کا تعارف:

**امام الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے نواسے، سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا و حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما کے لخت جگر اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے برادر اصغر ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ واقعہ کربلا کے معرکہ حق و باطل میں جس جوانمردی اور جاں فشانی سے باطل کا سدباب فرمایا اس کے اثرات اور فوائد قیام قیامت تک قائم و دائم رہیں گے اور جب بھی حق و باطل کا معرکہ سجے گا تو اہل حق ہمیشہ آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی سے نمونہ لے کر باطل کو شکست دیتے رہیں گے۔ ذیل میں آپ رضی اللہ عنہ کا تعارف ذکر کیا جاتا ہے۔**

"الحسين بن على بن أبي طالب،أنه ابن فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم ، يكنى أبا عبد الله ، ولد لخمس من شعبان سنة أربع ، وقيل سنة ثلاث هذا قول الواقدي وطائفة معه۔ ،وعق عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم كما عق عن أخيه،وكان الحسين فاضلا دينا كثير الصيام والصلاة والحج.قتل رضى الله عنه يوم الجمعة لعشر خلت من المحرم يوم عاشوراء سنة إحدى وستين،وضع يقال له كربلا.من أرض العراق بناحية الكوفة،قتله سنان بن أنس الخمى،ويقال له أيضاً سنان بن أن سان الخمى،وهو جد شريك القاضي۔"[3]

---

[1] صحیح بخاری، **کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم**، ص:5/26، حدیث نمبر 3747

[2] صحیح مسلم، **باب فضائل اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم**، 2/287، حدیث نمبر: 6256

[3] ابو عمر، یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر، **الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب**، (مکتبہ دار الجیل، بیروت، طبع اول، 1992م)، ص:393

ترجمہ:(نام) حسین بن علی رضی اللہ عنہما بن ابو طالب ہے اور وہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ پانچ شعبان، چار ہجری کو پیدا ہوئے اور بعض نے کہا تین ہجری کو ولادت ہے اور یہ قول واقدی اور ایک جماعت کا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عقیقہ فرمایا جیسا کہ ان کے بھائی (امام حسن رضی اللہ عنہ) کا عقیقہ فرمایا۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ فاضل تھے، کثیر تعداد میں روزے رکھنے والے اور نوافل پڑھنے والے اور حج کرنے والے تھے۔ اور دس محرم عاشوراء کے دن مقام کربلا، ارض عراق کوفہ کے مضافات میں اکسٹھ ہجری کو شہید کئے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو سنان بن انس نخعی نے شہید کیا اور اس کو سنان بن ان سان نخعی بھی کہا جاتا ہے اور وہ قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ کا دادا تھا۔

## فضیلت امام حسین رضی اللہ عنہ احادیث مبارکہ کی روسے:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بہت حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک خاص فضیلت یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو قربان فرمادیا اور جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو آپ رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیتے۔ ذیل میں آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں چند احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِيْ يَعْقُوْبَ سَمِعْتُ ابْنَ أَبِيْ نُعْمٍ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَسَأَلَهُ عَنِ الْمُحْرِمِ قَالَ: شُعْبَةُ أَحْسِبُهُ يَقْتُلُ الذُّبَابَ فَقَالَ أَهْلُ الْعِرَاقِ يَسْأَلُوْنَ عَنِ الذُّبَابِ وَقَدْ قَتَلُوْا ابْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:(هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا))[1]

ترجمہ: محمد بن ابی یعقوب بیان کرتے ہیں انھوں نے ابن ابی نعم سے سنا اور انھوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کسی نے ان سے محرم کے بارے میں پوچھا تھا، شعبہ نے بیان کیا کہ میرے خیال میں یہ پوچھا تھا کہ اگر کوئی شخص (احرام کی حالت میں) مکھی مار دے تو اسے کیا کفارہ دینا پڑے گا؟ اس پر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا، عراق کے لوگ مکھی کے بارے میں سوال کرتے ہیں جب کہ یہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر چکے ہیں، جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: یہ دونوں نواسے (امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا

کائنات میں انبیاء علیہم السلام کو غیر انبیاء علیہم السلام پر اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باقی تمام انبیاء علیہم السلام پر فوقیت حاصل ہے۔ اسی طرح وہ پاکیزہ عورتیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں ان امہات المومنین رضی اللہ عنہا کو بھی بنی نوع انسان کے طبقہ نسواں پر خصوصی فضیلت اور برتری حاصل ہے۔ ان پاکیزہ عورتوں کے عمومی فضائل کا کوئی شمار نہیں۔ ان ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العزت اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کا انتخاب فرمایا ہے۔

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص:5/28، حدیث نمبر 3753

ذیل میں ان تمام خوش نصیب اور پاکیزہ عورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے عقد نکاح میں لینے کا شرف بخشا۔

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا بنت خویلد

ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت اَبو بکر رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت ہند (اُم سلمہ) بنت ابی امیہ سہیل رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت جَویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت اُم حبیبہ (رملہ) بنت ابو سفیان رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت سیدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت ریحانہ بنت شمعون بن زید رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہ بنت شمعون المصری رضی اللہ عنہا

ذیل میں ان تمام امہات المؤمنین میں سے دو مشہور کا ذکر کیا جاتا ہے:

## ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا بنت خویلد کا تعارف و فضیلت

آپ رضی اللہ عنہا مکہ کی ایک معزز، مال دار اور عالی نسب خاتون ہیں جن کا تعلق عرب کا قبیلہ قریش سے تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا حسن صورت و حسن سیرت کے لحاظ سے "طاہرہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو تجارتی کاروبار میں شریک کیا اور کئی مرتبہ اپنا سامان تجارت دے کر بیرون ملک بھیجا۔ وہ آپ ﷺ کی تاجرانہ حکمت، دیانت، صداقت، محنت اور اعلی اخلاق سے اتنی متاثر ہوئیں کہ انھوں نے حضور ﷺ کو شادی کا پیغام بھجوا دیا، جس کو حضور ﷺ نے اپنے بروں کے مشورے سے قبول فرمالیا۔ ذیل میں آپ رضی اللہ عنہا کا تعارف اور فضیلت کو ذکر کیا جاتا ہے۔

"بِنْتُ خُوَيلدِ بْنِ أَسَد بن عَبْد العُزَّى بن قُصَىّ ، وَهِيَ أَوَّلُ اِمْرَأَةٌ تَزَوَّجَها رَسُوْلُ اللّهِ ﷺ ۔"[1]

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہا خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی کی بیٹی ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا پہلی عورت ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔

حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ عَلِيًا بِالْكُوْفَةِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَم بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسائِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ))[2]

ترجمہ: حضرت ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی جاتی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں مہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ عورتوں میں سے بہترین حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا ہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد ہیں۔

## ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تعارف وفضیلت:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دیگر خوبیوں میں سے سب سے بڑی اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری زوجہ ہیں اور دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تین چیزوں میں فضیلت حاصل تھی۔ پہلی یہ کہ آپ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنواری ہونے کی حالت میں شادی فرمائی، دوسری فضیلت یہ تھی کہ تمام ازواج النبی رضی اللہ عنہا کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں قرآن کثرت سے نازل ہوا اور تیسری بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ رضی اللہ عنہا کی شان میں اور آپ رضی اللہ عنہا کی برات میں قرآن پاک کی دس سے زائد آیات نازل ہوئیں۔ ذیل میں آپ رضی اللہ عنہا کا تعارف ذکر کیا جاتا ہے۔

"بنت أبي بكر الصديق بن أبي قحافة بن عامر بن عمرو بن كعب بن سعدبن تيم بن مرة بن كعب بن لؤى،عن ابن عباس قال:خطب رسول الله ﷺ، إلى أبي بكر الصديق عائشة۔عن عمرة بنت عبد الرحمن بن سعد بن زرارة قالت سمعت عائشة تقول : تزوجني رسول الله ﷺ، في شوال سنة عشر من النبوة قبل الهجرة، وهاجر رسول الله ﷺ ، فقدم المدينة يوم الاثنين لاثنتي عشرة ليلة خلت من شهر ربيع الأول ، وأعرس بي في شؤال على رأس ثمانية أشهر من المهاجر،وكنت يوم دخل بي ابنة تسع سنين ۔"[3]

ترجمہ: (آپ رضی اللہ عنہا) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بن ابو قحافہ رضی اللہ عنہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرۃ بن کعب بن لوئی کی بیٹی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی جاتی ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی

---

[1] زہری، محمد بن سعد بن منیع، **الطبقات کبیر**، 11/52

[2] صحیح مسلم، **باب فضائل خدیجہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا**، 2/289، حدیث نمبر: 6271

[3] زہری، محمد بن سعد بن منیع، **الطبقات کبیر**، 11/53، 52

طرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا پیغام بھیجا۔ عمرہ بنت عبد الرحمن بن سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنا انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ہجرت سے پہلے دس نبوی کو نکاح فرمایا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، پس مدینہ میں سوموار کے دن ربیع الاول کے بارہویں دن پہنچے اور شوال میں ہجرت کے آٹھویں ماہ شادی فرمائی اور میں اس دن نو سال کی عمر کو پہنچ چکی تھی۔

**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:**

((عَنْ أَبِيْ مُوْسَىٰ الأَشْعَرِيْ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ:كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمَ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ اِمْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ۔))[1]

ترجمہ: حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں میں تو بہت سے کامل پیدا ہوئے لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران فرعون کی بیوی آسیہ کے سوا اور کوئی کامل پیدا نھیں ہوئی اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت بقیہ تمام کھانوں پر ہے۔

**حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے متعلق ارشاد فرماتی ہیں:**

((عَنْ هَشَامٍ عَنْ اُبَيْه عَنْ عَائِشَةُ اَنَّ النَاس كَانُوْايُتَحَّرُوْنَ بهدآيَاهم يَوْم عَائِشَةُ يَبْتَغُوْنَ بِذَالِكَ مَرْضَاةٌ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ۔))[2]

ترجمہ: ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی جاتی ہے وہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ (انھوں نے فرمایا) لوگ

مذکورہ بالا پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل بیت کا لغوی و اصطلاحی معنی ہے گھر والے، خاندان والے، یا جن کے ساتھ رشتہ یا تعلق ہو۔ قرآن پاک میں بھی جہاں اہل یا اس کا ہم معنی لفظ آیا ہے اس کا معنی بھی گھر والے یا خاندان والے ہی کیا گیا ہے۔ شرعی اصطلاح میں اہل بیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن، آپ کی چاروں بیٹیاں رضی اللہ عنہن، تین بیٹے رضی اللہ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے رضی اللہ عنہما اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں اہلِ بیت کی پاکی کا ذکر کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرامین میں اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی شان و عظمت بڑے ہی واضح اور صاف الفاظ میں ذکر فرمائی ہے۔ تمام امت مسلمہ کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا احترام کرے، ان سے محبت کرے اور دینی امور میں ان کی پیروی کو اپنا شعار بنائے۔

---

[1] صحیح بخاری، **کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم**، ص: 5/29، حدیث نمبر 3769

[2] صحیح مسلم، **باب فضائل عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا**، 2/290، حدیث نمبر: 6289

# فصل دوم:

# اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام میں تذکرہِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم

# اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام میں تذکرہِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک سچے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت کے بھی مداح تھے۔ ان کی یہ محبت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں متعدد بار نظر آتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کبھی واقعہ کربلا میں صبر حسین رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کر کہ عشق کو جلا بخشتے ہیں، کہیں قافلہ حجاز میں حسین رضی اللہ عنہ کی کمی کا گلہ کرتے ہیں اور کبھی داستانِ حرم میں حسین رضی اللہ عنہ کو منتہا بیان کرتے ہیں کبھی دلِ مرتضی رضی اللہ عنہ کے حاصل کرنے کی استدعا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر آپ کا اہلِ بیت سے عشق کا حقیقی وابدی مظہر آپ کے مجموعے 'اسرار ورموز' کی نظم 'فاطمۃ الزہرہؓ' میں نظر آتا ہے۔ جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت زہرہ علیہا السلام کی بزرگی و مرتبے کا موازنہ حضرت عیسی علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی بزرگی و مرتبے سے کرتے ہیں۔ اور حضرت زہرہ علیہا السلام تین نسبتوں سے حضرت مریم علیہا السلام سے اعلیٰ ہیں۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلِ بیتؑ ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدرؓ مجھے"[1]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے والہانہ محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ اور اس محبت پر ان کو فخر تھا۔ اس لیے وہ فرماتے ہیں کہ وہ بے عمل ہی سہی لیکن اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی محبت سے اتنی سعادت حاصل کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انھیں اپنی پناہ میں لینے کے لیے ان کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی محبت نعمت غیر مترقبہ ہوتے ہوئے سعادت دارین ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ دوسری نسبت کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب کرتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا ایسی ہستی کی زوجہ محترمہ ہیں جن کے سر پر 'ھل اتٰی' کا تاج ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس شعر میں ھل اتٰی کا استعارہ استعمال کرتے ہوئے خاندانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک واقعہ

[1] اقبال، محمد، ڈاکٹر، عرض بہ جناب حضرت نظام الدین اولیاء، **باقیاتِ اقبال**، (شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار، لاہور، طبع اول 1952)، ص:84

کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ایک دفعہ خاندانِ نبوت ﷺ نے رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر تین دن روزہ رکھنے کا قصد کیا۔ پہلے روز عین افطار کے وقت ایک سائل در پہ آ گیا اور مولا مشکل کشا نے گھر کا تمام سامان اس کو دے دیا اور خود خاندانِ رسول ﷺ نے پانی سے روزہ افطار کیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا، یہ امر اللہ کے ہاں اتنا مقبول ہوا کہ جبرائیل امین علیہ السلام سورۃ ھل اتٰی (سورۃ الدھر) لے کر نازل ہوئے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بادشاہت عطاء کی مگر تقوی کا یہ عالم تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا کُل سامان ایک تلوار اور ایک زرہ تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ رضی اللہ عنہ رتبہ میں مرتضیٰ، مشکل کشا اور شیر خدا ہیں۔

"خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی ۔۔۔ کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری"[1]

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ امت مسلمہ کے لیے جہاد فی سبیل اللہ اور فقر کو لازم قرار دیتے ہیں اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفت کرار کو اپنے شعر میں استعمال کرتے ہیں والے کو کہتے ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کا ایک لقب بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو بادشاہوں جیسی شان و شوکت عطا فرمائی ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں میں فقر کے ساتھ مستقل مزاجی اور صلاحیت جہاد فی سبیل اللہ بھی دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ دنیا میں ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے اپنا مقام حاصل کر لیں اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے حصول کے باعث عقلی میں سرخرو ہوں۔

"بے جرات رندانہ ہر عشق ہے روباہی ۔۔۔ بازو ہے قوی جس کا وہ عشق ید اللہی!"[2]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ عشق و مستی کے خیال کی تفصیل اس شعر میں بیان کرتے ہیں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جہاں خودی کے پیامبر میں وہاں ان کا تصور عشق و مستی اپنی مثال آپ ہے۔ وہ عشق کو جرات، ہمت، حوصلہ وایثار اور قربانی کا نام دیتے ہیں۔ اس کے برعکس خوف و خطرہ، ڈر اور ہر اس کو مکاری، عیاری، چالاکی اور چالبازی کو مشق و مستی کے حق میں زاہر حلال قرار دیتے ہیں۔ خودی، عشق و مستی سے سرشار انسان باوقار ہوتا ہے۔ یہی حضرت انسان اگر عیاری و مکاری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لے تو پھر یہ انسانیت کے منہ پر بدنما داغ اور عشق کے لیے وجہ ننگ و عار اور مستی کے لیے ذلت ورسوائی کا باعث بنتا ہے۔

"یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علی شیعوں کا ۔۔۔ ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو برا کہتے ہیں

مقصدِ لحمک لحمی پہ کھلی ان کی زبان ۔۔۔ یہ تو اک راہ سے تجھ کو بھی برا کہتے ہیں"[3]

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، ص:683

[2] کلیات اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، ص:686

[3] محمد اقبال، ڈاکٹر، **باقیات اقبال**، ص:114

اس ضمن میں ڈاکٹر گیان چند بیان کرتے ہیں:

" یہ نظم انجمن حمایت اسلام کے اٹھارویں اجلاس میں یکم مارچ 1903ء کو سہ پہر کے جلسے میں پڑھی۔ جلسے کی صدارت خان بہادر غلام احمد خان مشیر مال ریاست جموں و کشمیر نے کی۔ اس وقت اس کا عنوان تھا (ابر گہر بار) یعنی نعت عاشقانہ جناب سرور کائنات و فریاد امت بر آستانہ آن ذات بابرکات۔"[1]

"تیرے پیاروں کا جو یہ حال ہوا اے شافع محشر  میرے جیسوں کو تو کیا جانیے کیا کہتے ہیں"[2]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ امت مسلمہ کی بے جا تنقید سے خفا ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ان کے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بے جا اعتراضات کا شکوہ کرتے ہوئے عرض گزار ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیری امت تیرے پیاروں پر بھی زبان طعن دراز کرتی ہے تو مجھ گنہگار کی حیثیت ہی کیا ہے۔ مجھے نہ معلوم وہ کس طرح طعنہ زنی کرتے ہوں گے۔

"فیض، اقبال سے اسی در کا  بندہ شاہ لافتیٰ ہوں میں"[3]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے فکر رسا کا منبع در اہلِ بیت کو قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غلام کہلواتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اہلِ بیت کا ادنیٰ سا غلام قرار دیتے ہیں اور ان کی سیرت پر چلنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور امت مسلمہ کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں۔

"سینہ پاکِ علی رضی اللہ عنہ جن کا امانت دار تھا  اے شہِ ذی جاہ! تو واقف ہے، ان اسرار سے"[4]

"جہاں سے چلتی تھی گزر قنبر کی  مجھے بھی ملتی ہے روزی اسی خزینے سے

ہمیشہ ورد زباں ہے علی کا نام اقبال  کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینے سے"[5]

---

[1] گیان چند، ڈاکٹر، **ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب مہ و سال**، (اردو ریسرچ سنٹر چادر گھاٹ ہائی اسکول لین، عابد روڈ حیدر آباد، طبع دوم 1988م)، ص:198،199

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، **باقیات اقبال**، ص:114

[3] گیان چند، ڈاکٹر، **ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب مہ و سال**، ص:163

[4] محمد اقبال، ڈاکٹر، **باقیات اقبال**، ص:125

[5] محمد اقبال، ڈاکٹر، **باقیات اقبال**، ص:274

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ خود کو اس شعر میں حضرت قنبر جو کہ غلام تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ دیتے ہیں کہ جس طرح ان کی گزر اوقات بحر ذخار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیر اب ہو کر ہوتی تھی ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر بھی یہی عنایت ہے میں علی رضی اللہ عنہ کا نام ورد زباں رکھتا ہوں جس سے میری روح کو تسکین ملتی ہے۔

ڈاکٹر گیان چند اس نگینے کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"کہا جاتا ہے کہ ایک جوہر کا مزاج تر ہوتا ہے اس کے نگینے کو منہ میں رکھنے سے پیاس بجھ جاتی ہے۔"[1]

"یہ ہے اقبال! فیضِ یادِ نامِ مرتضیٰ جس سے نگاہِ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے"[2]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا بلند تخیل کی رسائی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک ہو چکی ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نام نامی کی یاد کا صدقہ ہے۔ اس بات میں شک نہیں کہ علامہ محمد اقبال کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے والہانہ عشق تھا اور اسی وجہ سے انھیں قربت خداوندی نصیب ہوئی۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے مطالعہ کے بعد اس بات کا پتا چلتا ہے کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر مقامات پر جہاں اکھٹا حق و باطل کا تذکرہ کیا ہے تو حق کے استعارہ کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی غزل جو بانگ درا میں ہے اس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو لہبی کے متضاد کے طور پر اسد اللہی کی ترکیب استعمال کی ہے۔

"نہ خدا رہا نہ صنم رہے، نہ رقیب دَیر و حرم رہے نہ رہی کہیں اسَدُ اللّٰہی، نہ کہیں ابو لہبی رہی"[3]

یہ کلام بھی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اسی ذکر کردہ اسلوب کی ایک مثال ہے جس میں وہ ابو لہبی کے متضاد کے طور پر اسد اللہی کی ترکیب کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ یہاں بھی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حق کے استعارہ کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لقب اسد اللہ کا استعمال کیا ہے۔ اسی طرح اس کتاب کی رباعیات میں بھی علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے لقب ابو الحسن سے یاد کرتے ہوئے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

"یہ نکتہ میں نے سیکھا بُو الحسن سے کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے"[4]

---

[1] گیان چند، ڈاکٹر، **ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب مہ وسال**، ص:339

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، **باقیات اقبال**، ص:125

[3] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:313

[4] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:355

اسی طرح ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مقام پر مغربی فلسفوں کے مقابلے میں اسلامی افکار کی فتح کا اعلان کرتے ہوئے خاکِ مدینہ و نجف کا تذکرہ فرماتے ہیں:

"خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانشِ فرنگ　　　سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف"[1]

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں علم و حکمت کے دو ہی سرچشمے ہیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا اس بات پہ مکمل یقین ہے کہ علم و یقین اور محبت و عشق میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے ہی ممکن ہے۔ یہی مسئلہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسلمہ حقیقت کا بار بار اقرار کیا ہے کہ خاک مدینہ و نجف کو وہ اس لیے عزیز جان کر آنکھوں سے لگاتے ہیں کہ وہاں دو پاکیزہ ہستیاں آرام فرما رہی ہیں جو معرفت الٰہی کا سرچشمہ ہیں۔

"دارا سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ　　　ہو جس کی فقیری میں بُوئے اسد اللّٰہی

آئینِ جوانمرداں، حق گوئی و بے باقی　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی"[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ایک عظیم شخصیت ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر کسی کو انسان کامل قرار دیا جائے تو وہ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات ہی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بے پناہ محبت ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں ساری زندگی رطب اللسان رہے ہیں۔ ان اشعار میں وہ اس مرد مجاہد کو جو فقر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قائم کیے ہوئے راستے پر چلے اسے دارا و سکندر سے بہتر قرار دیتے ہیں۔ در حقیقت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان فقر کے ہوتے ہوئے بھی بے نیاز اور خود دار رہیں۔ ایک انسان کو خودداری اور بے نیازی ہی اعلیٰ درجہ پہ مرتب کر سکتی ہیں اور ان تمام خصوصیات کا بہترین نمونہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ مزید علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اگلے شعر میں بھی حق گوئی اور بے باقی کو جوان مردوں کا قانون قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ روباہی ،فریب، مکر و چال اللہ کے شیروں کا طریقہ نہیں۔ گویا علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہر مردِ مسلمان کے کردار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لقب اسد اللہ کا عکس دیکھنا چاہتے ہیں۔

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:373

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:386

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ تیسری نسبت حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اُن ہستیوں کی والدہ ہیں جن پر خود عشق انحصار کرتا ہے اور وہ عشق کے قافلے کے سردار اور عشق کا عین مرکز ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ محفلِ حرم کی مانند قرار دیتے ہیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے جنگ اور نفرت کی آگ ختم کرنے کے لیے تخت و تاج کو ٹھوکر مار دی۔ جس سے مسلم برادری میں اتحاد قائم رہا اور امت مسلمہ کی لاج رہی آپ حسینؓ کی والدہ ہیں جو کہ نیک سیرت لوگوں کے مولا ہیں۔ زندگی میں جذبہ حسینؓ ہی سے ہے۔ جنہوں نے مردانِ حُر یعنی حریت پسند لوگوں کو قوت بخشی اور اہل حق کو آزادی کا سبق سکھایا۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ضرت زہرا رضی اللہ عنہا کی شخصیت سے بے حد متاثر تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا ایسی ہستی تھیں کہ جنہوں نے تمام نوری و ناری مخلوق تابع ہونے کے باوجود اپنی رضا کو مرتضی رضی اللہ عنہ کی رضا میں گم کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہا چکی تو پیستیں مگر زبان الٰہیات میں مصروف رہتی، آپ رضی اللہ عنہا خوفِ خدا اور صبر و رضا کا پیکر تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کبھی حالات پر گریہ وزاری نہ کی بلکہ نماز میں خوفِ خدا سے آنسو بہاتیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جبرائیل امین آپ رضی اللہ عنہا کے ان آنسوؤں کو جمع کر کے لے جاتے ہوں گے اور عرش بریں پہ شبنم کے قطروں کی طرح سجاتے ہوں گے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ تمام ماؤں کو آپ رضی اللہ عنہا کی پیروی کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بیٹوں میں جوہر ماں ہی کی طرف سے آتے ہیں۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسوہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اپنے کلام میں شامل کر کے امت مسلمہ کی خواتین کو دعوتِ فکر دی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی نسل کی نشوونما اور اس کی صحیح تربیت میں عورت کا ایک بہت بڑا اور کلیدی کردار ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کو اس کی اتنی بڑی ذمہ داری کو احسن طریقہ سے نبھانے کے لیے سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا سے بہتر کوئی اور نمونہ میسر نھیں آسکتا۔ یہ ایک کامل اور قابل تقلید نمونہ ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی دلی خواہش ان کے کلام کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ دخترانِ اسلام کے لیے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی تقلید کو کامیابی کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں۔ جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نور نظر تھیں۔ انہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل چلی، وہی عورتوں کے لیے سیرت کے اعتبار سے نمونہ ہے۔

ڈاکٹر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ چادر زہرا رضی اللہ عنہا کو ایک رمز اور علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس سے مراد صبر و شکر اور قناعت والی زندگی ہے۔ اس زندگی میں پاکیزگی شرم و حیا کی جھلک نظر آتی ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ وہ زندگی ہے۔ جو پاکیزہ اور پاک دامن مسلم خاتون کی آرزوں ہونی چاہیے۔ اگر امت مسلمہ کی خواتین اس زندگی کو اختیار کریں گی تو اس سے ایک اسی مسلمان نسل پروان چڑھے گیجو اس سرزمین پر اللہ کی خوشنودی کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ

ہو جائے گی۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر بھی نالاں ہیں کہ خواتین ہی نہ صرف اسلامی اوصاف سے خالی ہیں بلکہ ظلم تو یہ ہے کہ مسلمان مردوں کے ساتھ مذہبی قیادت کرنے والے بھی اسلامی اوصاف سے خالی ہیں۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ جس کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"یہی شیخ حرم ہے جو چُرا کر بیچ کھاتا ہے　　　گلیم بُوذر و دلق اویس و چادرِ زہرا رضی اللہ عنہم"[1]

اس حوالے سے مولانا غلام رسول مہر رقم طراز ہیں:

"عرب کی حالت کیا ہے۔جسے کعبہ کا شیخ کہا جاتا ہے۔کیا یہ وہی نہیں ہے جس نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے فقر کی گدڑی ،حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی درویشی کا خرقہ اور سیدہ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کی چادر مبارک چرا کر بیچی اور کھا گیا ۔مراد یہ ہے کہ کعبے کا شیخ ہونے کے باجود تمام اسلامی اوصاف و خصائص کھو کر صرف شکم پروری اپنا نصب العین بنا بیٹھا۔"[2]

یوسف سلیم چشتی اسی بارے لکھتے ہیں کہ:

"کہ ہمارے شیوخ اور علماء کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں بزرگان دین کے نام پر اپنی اپنی دکانیں چمکا رہے ہیں ۔خود ان کے اندر نہ تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے زہد کا کوئی رنگ ہے نہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے عشق و محبت کی کوئی جھلک ہے اور نہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کی عفت اور پاکیزگی کا کوئی شائبہ ہے۔صرف ان بزرگوں کا نام بیچ رہے ہیں اور خلق خُدا کو فرقہ بندی میں مبتلا کر رہے ہیں۔"[3]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت خوش دلی کے ساتھ اس شعر میں قرنِ اول کی تین مشہور شخصیتوں کا ذکر کر کے ان کی شان بے نیازی کو بیان کیا ہے۔خاص طور پر چادر زہرا رضی اللہ عنہا نسوانیت کے تقدس کی علامت بتلایا ہے۔

ظہور احمد اظہر صاحب لکھتے ہیں:

"اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں چادر زہرا رضی اللہ عنہا چونکہ نسوانیت کے تقدس اور عظمت کی علامت ہے اس لیے وہ اس کے استحصال کو گوارا نہیں کر سکتے۔وہ نہ تو مذہب کے خلاف تھے اور نہ انھیں کوئی مذہبی پیشواؤں سے عداوت تھی۔ لیکن اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت ایمانی یہ بات گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں تھی کہ کوئی مذہبی پیشوا چادر زہرا رضی اللہ عنہا کی عظمت و تقدس کو اپنی دنیوی اغراض کی تکمیل کے لیے استعمال کرے بعض مذہبی پیشواؤں کی جہالت و پس ماندگی اور ریاکاری و دغابازی اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:360

[2] غلام رسول مہر، **مطالب بال جبریل**، (لاہور شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1987م)، ص:63

[3] یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، **شرح بال جبریل**، (عشرت پبلشنگ ہاؤس غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور، س۔ن)، ص:219

خون کے آنسو رلاتی تھی۔ مگر کوئی جب جاہل اور ریاکار بزرگانِ سلف کی عظمت و تقدس کا استحصال روا رکھنے سے بھی باز نھیں آتا تھا تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت ایمانی جوش میں آتی اور وہ سراپا احتجاج بن جاتے تھے۔ خواہ یہ ریاکاری اور دغابازی گلیم بوذر رضی اللہ عنہ کے نام پر ہوتی یا دلقِ اویس رضی اللہ عنہ کے سہارے یا چادر زہرا رضی اللہ عنہ کے مقدس نام ہوتی۔"[1]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ماں کی گود بچے کی ابتدائی درسگاہ ہے۔ نسل انسانی پر جہاں پہلا رنگ چڑھتا ہے۔ ماں کی گود وہ مقام ہے جہاں بچے کی ہر طرح کی تربیت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جسمانی نشو و نما کے ساتھ ساتھ فکری و ذہنی ،مذہبی و ثقافتی رنگ ماں کی تربیت کا مرہون منت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ امتِ مسلمہ کو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے نقشِ قدم پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لیے مثالی خاتون قرار دیتے ہیں۔ اور ہر جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں۔

اسی مقام کی نسبت سے ظہور احمد اظہر لکھتے ہیں:

"حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی سیرت و شخصیت کے حوالے سے فکر اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں جو علامت ابھرتی ہے۔ اسے تولیت یا صفت تولیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تولیت ایک ایسی زندگی کی علامت ہے۔ جس میں دخترِ اسلام کا عملی کردار پنہاں ہے اور اسی کے طفیل فرزندانِ ملت کی صحیح تربیت اور امتِ مسلمہ کے شاندار مستقبل کی ضمانت مل سکتی ہے، تولیت ایک سبق بھی ہے اور ایک دعوت بھی جو مسلم خواتین کو رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی تلقین کی حیثیت رکھتی ہے۔ تولیت مثالی نسوانی کردار ہے جو مسلمان عورت کے لیے قابل قدر ہے۔"[2]

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کتنی صائب اور ان کا یہ تجزیہ کس قدر صحیح ہے کہ اگر سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کی گود نہ ہوتی اور جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستانِ تربیت نہ ہوتا تو پھر کوئی حسین رضی اللہ عنہ بھی نہ ہوتا۔ حضرت شبیر کا راہِ حق میں عاشقانہ جذبہ تسلیم و رضا اور آزادی حق کی خاطر ظلم و جبر کے سامنے سینہ سپر ہونا دراصل سیدہ بتول رضی اللہ عنہا کی پرورش کا نتیجہ ہے

سمیع اللہ قریشی لکھتے ہیں:

"اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظر اگر ایک معیاری ماں کی تلاش میں اٹھتی ہے تو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہی پر آ کے ٹھہرتی ہے۔ انھیں یقین ہے کہ خدا کی ذات سے مسلمان عورت کو تربیت اولاد کے لیے جو اعلیٰ و ارفع جذبے عطا ہوتے ہیں، ان کا مثالی مظہر ذاتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے مسلمان ماں کو جو پیغام بھی انھوں نے دیا ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے دیا ہے جس نے حسین رضی اللہ عنہ جیسی قد آور شخصیت کو جنم دے کر ہر دور کے لیے گویا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے سامان کر دیے وہ نسایئت

---

[1] ظہور احمد اظہر، **اقبال کے نجوم ہدایت**، ص:145

[2] ظہور احمد اظہر، **اقبال کے نجوم ہدایت**، ص:130

کے لیے اسوہ کاملہ ہیں۔اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ عالم نسواں میں عورت سے پر خاتون جنت کو دیکھتی ہے اور انہی کی ذات میں صحیح امومت پاتی ہے۔"[1]

## ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدتِ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید، احادیث نبوی اور تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کر کے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امتِ مسلمہ کے جملہ افراد کے لیے دنیا میں حصول عزت و وقار اور کامیابی اہلِ بیت کی غلامی میں موجود ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشقِ خدا اور دین اسلام کے داعی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ جبکہ عشقِ مصطفیٰ اور دین کی کامیابی میں پیش پیش امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ، اطاعتِ شوہر اور فرمانبرداری والدین میں لاثانی حضرت فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا، جاہ و جلال، سطوت تختِ سلطنت سے بے نیازوں کے سالار اور اتحادِ بین المسلمین کے عملی مبلغ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہیں۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے باقی اصحاب کی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی منقبت میں کوئی طویل قصیدہ تو نہیں لکھا تاہم اس ضمن میں جو دو تین اشعار لکھے ہیں وہ قابل ذکر ہیں۔

"واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہرا کا میں ۔۔۔ غم میں کیونکر چھوڑ دیں گے شافعِ محشر مجھے"[2]

## ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور عقیدتِ امام حسین رضی اللہ عنہ

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں امام حُسین رضی اللہ عنہ کے واقعے حق و باطل کو جس حَسین انداز میں پیش کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کے ساتھ دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بقا اور سربلندی کے لیے جس طرح قربانی پیش کی ۔یہ تا قیامت ملت اسلامیہ کے لیے وجہ افتخار رہے گی اور علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ کربلا کو اس سلسلے کی ایک کڑی قرار دیا ہے۔ جس کا آغاز سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا ہے۔جب وہ خانہ خدا کی بنیادیں رکھ رہے تھے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرم کی بنیادوں کو مزید اپنے خون سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے محفوظ بنایا۔اگر اسماعیل علیہ السلام نے سرو چشم قربانی کے لیے پیش کر کے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حکم کی تکمیل کی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنی ذات کو بلکہ اپنے عزیز و اقارب کو قربان کر کے دین اسلام کو سربلندی عطا کی۔

"غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم ۔۔۔ نہایت اس کی حسین رضی اللہ عنہ ابتدا ہے اسمٰعیل علیہ السلام"[3]

---

[1] سمیع اللہ قریشی، **افکار اقبال**، (سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن)، ص:94

[2] محمد اقبال، ڈاکٹر، **باقیات اقبال**، ص:84

[3] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:391

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شبیریت تو اس جذبہ کا نام ہے جو باطل کے سامنے انسان کو سینہ سپر کر دیتی ہے چونکہ شبیریت تو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے پیدا ہوئی تھی۔امت مسلمہ میں حضرت شبیر رضی اللہ عنہ ہی کو یہ اعزاز ملا ہے اور شبیریت کا حقیقی مقصد دین اسلام کا دفاع اور حفاظت ہے اور اگر اس مقصد کے لیے اگر سر بھی کٹانا پڑ جائے تو برضا کٹانے کے لیے تیار بلکہ خاندان کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔چونکہ شبیریت حق کی ترجمانی کا نام ہے اور ظلم و جبر کے خاتمے کا نام ہے۔

"حقیقت ابدی ہے مقام شبیری رضی اللہ عنہ　　　بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی"[1]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سید الشہدا کے عظیم کردار سے حد درجہ متاثر ہوئے ہیں۔سانحہ کربلا نے نہ صرف حق و صداقت کا بول بالا کر دیا۔بلکہ خفتہ ضمیروں کو بھی جھنجوڑ کر رکھ دیا جہاد کی اس سے مکمل تر مثال تاریخ عالم میں ڈھونڈنے سے نہ ملے گی۔چنانچہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں جب امت مسلمہ کو دوبارہ انحطاط کی تاریکیوں میں بھٹکتا پایا اسے انتشار و افتراق کا شکار دیکھا، یہود و نصاریٰ کو غالب آتے دیکھا تو بے اختیار امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظیم شخصیت ان کی نظروں کے سامنے گھوم گئی۔اور فریادی لہجے میں پکار اٹھے۔

"قافلہ حجاز میں ایک حُسین بھی نھیں　　　گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات"[2]

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس شعر میں بیان کر رہے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی تحریک زندہ قوموں کے لیے ایک بہت بڑا سرمایا ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ افسوس کر رہے ہیں کہ آج امتِ مسلمہ میں حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ جیسا سالار نظر نھیں آرہا جو عالی حوصلگی اور بلند نظری کا حامل ہوں۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

"کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ کفر اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ گر ہے لیکن اس کے مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں میں کوئی شخص امام حسین رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کے لیے تیار نھیں۔"[3]

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:398

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ذوق و شوق، ص:439

[3] شرح بال جبریل، ص:548

عشقِ حقیقی اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شعر گوئی میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو چیز مسلمان کو ارکان اسلام پر اور تعلیمات اسلام پر عمل پیرا کر سکتی ہے وہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دیگر تصورات انسان کو عمل پر راغب نھیں کر سکتے۔ دینی اعتبار سے موجودہ بے عملی کا باعث عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کمی ہے۔
اسی حوالے سے محبوب علی واسطی سیوہاروی لکھتے ہیں:

"کہ علامہ کی نظروں میں عراقِ عرب پر انگریزوں کا تسلط بڑی بُری طرح کھٹکتا تھا اور وہ اس کی آزادی کے خواہاں تھے۔امت مسلمہ کی عام غلامی نے انھیں مایوس کر دیا تھا اور انھیں امید نہ تھی کہ اس کا کوئی فرد اسے آزادی سے ہمکنار کرا سکے گا۔"[1]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح ایک اور مقام پر صبر امام حسین رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اس کرتے ہیں:

"صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبر حُسین بھی ہے عشق    معرکہ وجُود میں بدر و حُنَین بھی ہے عشق"[2]

جیسا کہ یہ عشق تھا جس کے طفیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صدق اور راست بازی کا اونچا مقام حاصل کیا۔ ظالم بادشاہ نمرود اور سنگ دل قوم کی مخالفت سے بے پرواہ ہو کر توحید کا نعرہ بلند کیا اور اپنے وطن، قوم اور عزیزوں کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ یہی عشق حق تھا جسکے زیرِ اثر اپنے بیٹے کو راہِ حق میں قربان کرنے کو تیار ہو گئے۔ اسی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو صبر کا جو مقام نصیب ہوا وہ بھی عشقِ حق کا کرشمہ تھا۔ ان کے بھائی بھتیجے اور دوسرے عزیز راہِ حق میں شہید کیے گئے لیکن اس اعلیٰ منزلت امام نے انتہائی صبر سے مصائب برداشت کیے۔ بدر و حنین کی جنگوں نے بھی حق و باطل کو الگ کیا یہ جنگیں بھی عشق کی بدولت کامیاب ہوئیں۔

ایک اور جگہ پہ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

"ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز    چراغ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرارِ بولہبی"[3]

کیونکہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے روپ میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو حرکت و عمل اور ارتقاء کی وہ تحریک نظر آئی جو زندہ قوموں کا سرمایہ حیات ہے، لہذا وہ اپنی قوم کے ان مردان حر کی تلاش میں ہیں جو اقدار حسینی رضی اللہ عنہ کے امین ہوں۔ جو عالی حوصلگی اور بلندی نظری کے حامل ہوں۔ جن کے فقر پر شاہی بھی نثار ہو اور جن کے فقر سے نوئے ید الٰہی آتی ہو۔ وہ ایسے مردِ مومن کی تلاش میں ہیں جو تقدیریں بدلنے پر قادر ہو۔ دنیائے اسلام میں چونکہ ایسی باکمال ہستیاں فقر و استغنا سے ہی پہچانی گئی ہیں۔ اس لیے

---

[1] سیوہاروی، محبوب علی واسطی، **اقبال اور حب اہل بیت اطہار**، (شیخ غلام علی سنز، لاہور)، ص:234

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ذوق و شوق، ص:439

[3] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، اِرتقا، ص:251

اقبال رحمۃ اللہ علیہ درس عمل دیتے ہوئے معیار فقر کی نشاندہی بھی کر دی۔ وہ اس فقر کے قائل نہیں جو انسان کو معیار انسانیت سے گرادے۔ جس کی وجہ سے قومیں دوسروں کی غلام بن جائیں بلکہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فقر امام حسین رضی اللہ عنہ کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

"اسلام مسلمانوں کو اسی سرمایہ شبیری کا وارث بنانا چاہتا ہے اسلام کا منشا اور مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمان جناب شبیر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چل کر دنیا میں حق و صداقت کے علمبر دار بن جائیں۔"[1]

فقر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کے موضوعات میں سے ایک خاص موضوع ہے۔ اس لیے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس قیمتی صفت کو اپنے کلام میں بیت زیادہ ذکر کیا ہے۔

جگن ناتھ آزاد لکھتے ہیں:

"اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقر کی دو اقسام ہیں۔ ایک تو بہادر کو بزدل بنا دیتی ہے اور دوسری شاہانہ تمکنت عطا کرتی ہے اور حضرت حُسین رضی اللہ عنہ کا فقر دوسری قسم کا تھا۔"[2]

"اِک فقر ہے شبّیری اس فقر میں ہے میری　　　میراثِ مسلمانی، سرمایہ شبیری"[3]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شبیریت ایک ایسا سرمایہ فقر ہے جو امت مسلمہ کے جوانوں کو بے نیازی کی دولت سے سرشار کرتی ہے جس کے سامنے ساری دنیا کے خزانے کو حیثیت نہیں رکھتے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ساری عمر عمل کا سبق دیا ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں عالم اسلام گوناگوں مشکلات سے دوچار تھا۔ ان حالات میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام میں جابجا عمل کا درس دیتے ہیں اور رسم شبیری کو ادا کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ملتے ہیں۔ ان کے ہاں عمل میں سب کچھ ہے۔

علامہ صاحب لکھتے ہیں:

"نِکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری　　　کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری"[4]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سرمایا شبیری کو مسلمان کی زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ سمجھتے ہیں چونکہ شبیریت باطل اور طاغوتی قوتوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہونے کا نام ہے۔ شبیریت حق کے احیام کا نام ہے۔ شبیری سرمایہ مسلمان ہے اور شبیری وہ

---

[1] **شرح بال جبریل**، ص:712،713

[2] آزاد، جگن ناتھ، **فکر اقبال کے بعض اہم پہلو**، (شاہین بکسٹال اینڈ پبلشرز امیر کدل، سری نگر، س۔ن)، ص:167

[3] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، فقر، ص:490

[4] کلیات اقبال (اردو)، **ارمغان حجاز**، ص:741

جذبہ ہے جس سے دنیامیں امن و آشتی اور حق کو غالب کیا جاسکتا ہے۔ بر صغیر میں اشاعت اسلام کا سہرا صوفیائے کرام کے سر ہے اور صوفیائے کرام کے ہاں خانقاہی سلسلہ تھا۔ اس قیادت کے ذریعے مسلمانوں کو بیدار کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ بر صغیر کے مسلمان اس خانقاہی نظام سے وابستہ تھے۔ چنانچہ وہ عمل کی دعوت دیتے ہوئے اہل خانقاہ کو اسوہ حسینی اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ چونکہ صوفیائے کرام سے لوگوں کو عقیدت ہے۔ اس لیے اگر یہ حضرات اپنے معتقدین کو اس طرف لائیں تو یہ دنیا میں حق کے پرچار، احیائے دین اور علائے کلمتہ اللہ کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

# باب چہارم:

# تذکارِ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہ میں اقبال کا اسلوب اور اس کی عصری معنویت

## فصل اول:

## تذکار اصحابِ رسول رضی اللہ عنہ میں اقبال کا اسلوب

## فصل دوم:

## تذکار اصحاب رسول رضی اللہ عنہ کی عصری معنویت

# فصل اول:

# تذکار اصحابِ رسول رضی اللہ عنہ میں اقبال کا اسلوب

# تذکار اصحابِ رسول رضی اللہ عنہ میں اقبال کا اسلوب

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم اور تربیت پر مذہبی اثرات بڑے نمایاں تھے۔ علامہ نے اپنے استاذ میر حسن رحمۃ اللہ علیہ سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی، پھر انھوں نے ہی اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں شاعری کا ذوق ابھارا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ 1905ء میں اٹھائیس برس کی عمر میں برطانیہ چلے گئے پھر وہاں سے جرمنی گئے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس لوٹے۔ چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی مذہبی اقدار میں پروان چڑھی تھی اس لیے آپ کے دورہ مغرب میں دو باتوں کا امکان تھا یا تو وہ اسی ماحول کا حصہ بن جاتے اور اس ماحول کی ترجمانی کرنے لگتے یا پھر سینے میں موجود چنگاری سلگنے لگتی اور وہ اپنی حمیت و مذہبی غیرت کے تناظر میں کام کرتے اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ثانی الذکر مزاج کے حامل تھے انھوں نے اپنے اسی مزاج کی طرف اپنی شاعری میں بھی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف"[1]

علامہ اپنے اس شعر میں اپنے اسی مذہبی مزاج کو بیان کر رہے ہیں کہ میں مغرب کی چکاچوند روشنیوں میں پڑھتا رہا ان کے رہن سہن اور توبہ شکن ماحول کو دیکھنے کے باوجود مجھ پر ان کے کسی تہذیبی وار کا اثر نھیں ہوا کیونکہ میں مدینہ و نجف کی مذہبی و روحانی شراب کا طلب گار تھا اور اسی درس گاہ کا طالب تھا، تو ان کی تعلیم اور ان کی نگاہ فیض نے مجھے محفوظ رکھا۔ اسی مناسبت سے ایک اور شعر بھی لکھتے ہیں۔

"زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی"[2]

کہ مغرب کا ماحول، سرد ہوا اور سرد صبح کے باوجود لندن میں بھی مجھ سے تہجد اور ذکر و فکر کی عادات چھوٹ نہ سکیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مغربی ممالک میں قیام کے دوران اہلیان مغرب کی اسلام و مسلمان دشمنی اور ان کے طرز عمل کا نہ

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:377

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:373

صرف مطالعہ کیا بلکہ اس کا عملی طور پر بھی مشاہدہ کیا۔ اپنے مطالعے اور عملی مشاہدے کے تناظر میں مسلمانوں کو اہل مغرب کی شاطرانہ فکر اور طرز دشمنی بتاتے ہوئے درپردہ نصیحت فرماتے ہیں کہ مسلمان کو ان کے زہریلے طرز و فکر کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کرنا چاہیئے کہ وہ کس طرح تعلیمی نصاب کی صورت میں میٹھا زہر، شہد بنا کر پیش کر رہے ہیں۔

"؎ اک لُردِ فرنگی نے کہا اپنے پسر سے　　منظر وہ طلب کر کہ تیری آنکھ نہ ہو سیر

بیچارے کہ حق میں ہے یہی سب سے بڑا ظلم　　برّے پہ اگر فاش کریں قاعدہ شیر

سینے میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر　　کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو　　ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب　　سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر"[1]

اہل مغرب کی اپنی اولاد کو نصیحت ہے کہ بیٹا مسلمانوں پر حکومت کا وہ منظر اور انداز طلب کر جس کو دیکھنے سے تیری آنکھیں کبھی سیر نہ ہوں، اور اس سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ بھیڑ کے بچے پر شیر کے انداز حکومت ظاہر کر دیئے جائیں بلکہ یہ حکمرانی کے انداز چھپا کر رکھے جاتے ہیں۔ اور ان مسلمانوں کا مقابلہ تلواروں اور طاقت سے کرنا بے وقوفی ہے بلکہ ان کے لیے تعلیم کا نظام ایسا تخلیق کیا جائے جو ان کی غیرت و حمیت کو زائل اور تباہ کر دے جب یہ تعلیم کے اس تیزاب میں مکمل ڈھل جائیں تو پھر جو دل چاہے ان کے ساتھ کیا جائے یا ان سے کروایا جائے کیونکہ اس تعلیمی تیزاب کا اثر اتنا شدید ہے کہ مسلمان اگر اس کے نرغے میں آ گیا تو پھر مذہبی و تہذیبی فکر و عمل میں سونے کے ہمالہ بھی ہوا تو مٹی کا اک ڈھیر کے سوا کچھ نہیں۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اہل مغرب کی شاطرانہ چالوں کا عقدہ کھولنے کے بعد مسلمانوں کو بھی کامیاب ہونے کا طریقہ بتاتے ہیں کہ مسلمان کو اپنی بھلائی ہوئی اقدار کو نہ صرف یاد کرنا ہو گا بلکہ ان پر بہ طریق اتم عمل پیرا بھی ہونا ہو گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے مسلمان ہونے کے لیے مغرب کی سازشیں ہی کافی تھیں کہ کس طرح انھوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک طوفان برپا کر رکھا ہے۔

"؎ مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے　　تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، نصیحت، ص:666

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے　　　چمن کے ذرے ذرے کو شہید آرزو کر دے"[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو سیدھے راستے پر لانے کے لیے اہلیان مغرب کی عیاریاں ہی کافی تھیں، وہ ان دین مخالف اور تہذیب مخالف طوفانوں سے گھبرائے بغیر اس سے سبق سیکھتے اور اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتے، کیونکہ ہمیشہ دریا کے تلاطم میں ہی ہیرے تیار ہوتے ہیں، پھر دعا دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یا اللہ ان مسلمان نوجوانوں میں کامیابی اور مغرب کی غلامی سے چھٹکارے کی امید کا چراغ روشن کر دے اور مسلمانوں کے ہر چھوٹے بڑے فرد میں کامیابی اور ترقی کی ایسی امید پیدا کر دے کہ وہ اس آزادی اور ترقی کے لیے اپنا تن من دھن قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے شاعرانہ اسلوب کی بات کی جائے تو اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے خیالات و افکار میں کسی کے خوشہ چیں نھیں ہیں۔ وہ جن شعراء سے متاثر تھے مگر اس کے باوجود انھوں نے کسی کے رنگ کو اپنایا نھیں بلکہ اپنا ایک الگ جداگانہ انداز بر قرار رکھا۔ یقینا اس کی وجہ اقبال کا علمی سرمایہ تھا۔ اقبال نے مشرق و مغرب کے علوم کا گہرا مطالعہ کیا ہے جو ان کے کلام کی گہرائی سے جھلکتا ہے۔ انھوں نے ماضی کی تاریکیوں کو دور کرنے کے لیے مستقبل میں طلوع ہونے والے سورج کی نوید سنائی۔ ان سے قبل بہت بڑے اور نامور شعراگزرے مگر جو فلسفہ اور صوفیانہ رنگ اقبال کے یہاں ہے، وہ کم ہی کسی کے پاس ہے۔ انھوں نے اپنی قوم کو خود شناسی کا شعور عطا کیا، خودی کو جاننے کی آگہی دی۔ خودی کو پہچاننے سے متعلق فرماتے ہیں:

"اپنے من میں ڈوب کے پا جا سراغ زندگی　　　تو اگر میرا نھیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن"[2]

اقبال ایک ہمہ جہت شاعر تھے۔ ان کی شاعری گونا گونی اور تنوع لیے ہوئے ہے۔ ان کا ذہنی ارتقا، شعورِ مزاح، تصورِ عشق، اسلوبِ زبان و بیاں، تصورِ خودی اور سب سے بڑھ کر اسلام سے رغبت اور اس کی تعلیمات کا پرچار انھیں معاصرین سے ممتاز کرنے کے لیے کافی ہے۔ انھوں نے تعلیماتِ قرآن کے مطابق کائنات کو تسخیر کرنے کی بات کی۔ انھوں نے اپنے مضامین میں حصولِ علم تجسّس اور تحقیق پر زور دیا تاکہ نسلِ نو کسی بھی میدان میں پیچھے نہ رہے۔ وہ نسل نو کو علم کا فلسفہ سمجھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"زندگی کچھ اور شے ہے، علم ہے کچھ اور شے　　　زندگی سوز جگر ہے، علم ہے سوز دماغ

علم میں دولت بھی ہے، قدرت بھی ہے، لذت بھی ہے　　　ایک مشکل ہے کہ ہاتھ آتا نھیں اپنا سراغ

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، طلوعِ اسلام، ص:297

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:367

اہلِ دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہلِ نظر | کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ
شیخ مکتب کے طریقوں سے کُشادِ دل کہاں | کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ"[1]

اقبال کے فلسفۂ قدیم و جدید کے مطالعے اور ان کی فلسفیانہ مزاج نے ان کی وسعت النظری میں اضافہ کیا۔ یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر کسی سے بھی اقبال کی شاعری کی خصوصیت پوچھی جائے تو وہ برملا کہے گا کہ ان کی شاعری "فلسفیانہ شاعری" ہے اور اس سے مراد یقیناً ان کی شاعری کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیریت ہے۔ اقبال کوئی خشک فلسفی یا دنیا سے بیزار شخص نہیں تھے۔ ان کی شاعری میں جو امید اور زندگی ہے، وہ انھیں کا خاصہ ہے۔ وہ شاعر بھی تھے اور حکیمِ نکتہ داں بھی۔ ان کے ہاں عشقِ حقیقی و مجازی دونوں ہیں جہاں ایک جانب حسن کی کرشمہ سازیاں ہیں تو دوسری جانب رندی و مستی کا بیان بھی ہے۔ اقبال نے اپنے لافانی کلام اور فکرِ رسا سے مسلمانوں کو خود آگاہی بخشی۔ ان کی شاعری رجائیت کی شاعری ہے۔ انھوں نے رنگ و نسل اور جغرافیائی امتیاز سے بالاتر ہو کر اسلام کی آفاقیت و عالمگیریت کا اظہار کیا۔

مسلم قومیت کا تصور اقبال کے کلام میں جا بجا ملتا ہے:

"بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا | نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی، نہ افغانی
ہوس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے نوعِ انسانی کو | اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا"[2]

اسی طرح علامہ، وطن کے فلسفے کو یوں بیان کرتے ہیں:

"گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے | ارشادِ نبوتؐ میں وطن اور ہی کچھ ہے"[3]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فن کو کوئی مشغلہ نہیں بنایا بلکہ اسے نسلِ انسانی کے لیے ایک وژن کی صورت میں پیش کیا۔ اقبال نے مشرقی و مغربی علوم سے جو اکتساب کیا تھا، وہ اسے اپنی قوم کی ذہنی و فکری آبیاری کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان کی شخصیت میں مغرب و مشرق کے علم و حکمت کے دھارے آ کے مل گئے تھے۔

شخصیات کے اعتبار سے انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں حوالہ اور دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی، سیرت اور کردار کی جو مثالیں بطور نمونہ پیش کی ہیں وہ تمام تاریخی شواہد ہیں۔ علامہ

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو)، **ضربِ کلیم**، تربیت، ص:592

[2] کلیاتِ اقبال (اردو)، **بانگِ درا**، طلوعِ اسلام، ص:300

[3] کلیاتِ اقبال (اردو)، **بانگِ درا**، وطنیّت، ص:188

نے اپنے شعر و فکر کے ذریعے مسلم نوجوانوں کو مخاطب کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کی طرف متوجہ کیا ہے۔ ان کے ہاں نوجوان، قوم کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اور اگر انھوں نے مغربی اقدار کو اپنا لیا تو ان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ اپنے دور کے نوجوان کی تن آسانی اور غفلت شعاری کو دیکھتے ہوئے علامہ، نوجوانوں کو تلمیحات کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسوہ اور زندگی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

؎ تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نھیں سکتی

کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا[1]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ قوموں کی زندگی میں ان کی تاریخ اور روایت کا امین ماضی فیصلہ کن اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اسی طرح ان کے عظیم اسلاف کی عملی زندگیاں اور کارنامے نہ صرف روشنی کے مینار ہوتے ہیں بلکہ تعمیر و اصلاح کے لیے دعوت اور عمل کے لیے مثال کا کام دیتے ہیں۔ اسی بنا پر علامہ نے اکابرین اسلام کی سیرتوں اور کارناموں کو نوجوانان ملت کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے اور ان کے اتباع و پیروی کی دعوت دی ہے۔ علامہ نے شکوہ اور جواب شکوہ میں بے شمار تلمیحات اور اشارات ایسے ہیں جن سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں ان کے اوصاف کو زندگی میں سمو لینے کی تلقین کی ہے۔ چونکہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنے کردار، سیرت و اخلاق سے دنیا کی تاریخ کو بدلا۔ یہ توحید حق کے پروانے تھے اور شہادت ان کی زندگی کا مقصود تھی۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق کہتے ہیں:

؎ یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے

جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا

سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی[2]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی وہ مردان حق تھے جنہوں نے اپنے خون جگر سے تاریخِ انسانی کو نہ صرف نیا اور صحیح رخ دیا بلکہ اپنے لہو سے اس میں رنگ بھی بھر دیا۔ ان کے نزدیک زندگی ایک امانت ہے جس کا استعمال احتیاط سے کرنا ہے اور

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، خطاب بہ جوانانِ اسلام، ص:207

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، طارق کی دعا، ص:432

موت پھر جب آئے گی تو اسے رب کے ساتھ ملنے کا اشتیاق ہو گا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں اس کا بین ثبوت ہیں۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے آرزو مند نظر آتے ہیں کہ یا خدا نوجوانِ ملت میں پھر ایسا ہی جذبہ بیدار کر دے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ آنے والی نسلوں کو عہد رفتہ کی یاد تازہ کراتے ہیں اور اسلاف کے کارناموں کی جھلک دکھاتے ہیں تاکہ وہ اس عمل پیرا ہو کر اپنے مسائل زندگی حل کر سکیں۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کا یوں ذکر کرتے ہیں:

؎ کیا تو نے سحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں، اذان سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انھیں کے جگر میں
کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نھیں موت ان کی نظر میں
دلِ مردہ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرہ لاتذر میں
عزائم کے سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے[1]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عرب کے سحرا نشینوں کا کیا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے اور امت مسلمہ کو دعوتِ فکر دی ہے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں کو کس خوبصورتی کے ساتھ برتا ہے کہ عرب کے ان صحرا نشینوں کے نزدیک موت ایک نئی زندگی کا نام ہے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کامل ایمان والے تھے اس ایمانی دولت کی بنا پر وہ فاتح جہاں بنے اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس ایمان کی رب سے دعا مانگتے ہیں۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کلام کو نہ صرف منور کیا ہے بلکہ ہمیں اتباع اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دیتے ہیں۔

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، طارق کی دعا، ص:432

اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی زندگی اس بات کی شاہد ہے کہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد حکم خداوندی کی انھوں نے ہر لحظہ ہر لمحہ پابندی کی اور اس حکم کو ویسے ہی پورا کیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا اور کر کے دکھایا تھا۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہی اطاعت کا جذبہ ہمارے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک بار پھر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے کارنامے یاد کراتے ہیں:

؎مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے

وہ کیا تھا زورِ حیدر، فقرِ بوذر، صدقِ سلمانی[1]

اس کے بعد مولائے کائنات شیر خدا کی دو بنیادی صفات ہیں ایک "علویت" جو ان کے علم و حکمت، دانش و بصیرت پر اور باب مدینۃ العلم ہونے کے منصب پر دلالت کرتی ہے اور دوسری "حیدریت" جو کہ حضرت مولائے کائنات کی سپاہ گری اور ان کی ہمت و شجاعت پر قائم ہے- آپ شروع سے آخر تک دیکھ لیں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو جو رول ماڈل عطا کیا ہے وہ شیر خدا کی ذاتِ گرامی ہے۔

؎کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق

کبھی سوز و سرورِ انجمن عشق

کبھی سرمایۂ محراب و منبر

کبھی مولا علی خیبر شکن عشق[2]

؎تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر

کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو)، **بانگِ درا**، طلوعِ اسلام، ص:297

[2] کلیاتِ اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ص:412

وہی فطرتِ اسد اللہی، وہی مرحبی وہی عنتری[1]

ہے فکر مجھے مصرعِ ثانی کی زیادہ

اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن

یا خالدِ جانباز ہے یا حیدرِ کرار[2]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عشق روایتی معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ عشق سے مراد عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جس کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ معیار عشق ٹھہراتے ہیں اور نوجوانان اسلام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی محبت اور عشق کا درس دیتے ہیں کہ مسلم نوجوان اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا لیں تو کامیاب ہو سکتے ہیں وہ رب کریم سے التجا کرتے ہیں۔

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے

دل مرتضٰی رضی اللہ عنہ سوز صدیق رضی اللہ عنہ دے[3]

ایک جگہ اس کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

جمالِ عشق و مستی نے نوازی

جلالِ عشق و مستی بے نیازی

کمالِ عشق و مستی ظرف حیدر

زوالِ عشق و مستی حرف رازی[4]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ اس کا یوں ذکر یوں کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بے سروسامانی کے باوجود اس عشق کی بنا پر دنیا کو ہلا کر رکھ دیا اور بڑے بڑے معرکے سر کیئے:

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، میں اور تو، ص:280

[2] کلیات اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، آزادیِ شمشیر کے اعلان پر، ص:539

[3] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ساقی نامہ، ص:452

[4] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ص:408

؎صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق

معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق [1]

علامہ، نوجوانوں کے سینے میں بجھتی ہوئی عشق کی شمع کا گلا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

؎عشق کو، عشق کی آشفقہ سری کو چھوڑا؟

رسم سلمان واویس قرنی کو چھوڑا؟ [2]

خودی کو مستحکم کرنے کے لیے فقر بنیاد ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ خودی کے لیے فقر والی صفت میں بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ذات سے استفادہ کرتے ہیں۔ فقر کے عملی نمونے اور پیکر اصحاب رضی اللہ عنہ کے کردار اور اعمال کی صورت میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زندہ جاوید تھے۔ فقر غربت یا محتاجی کے معنوں میں نھیں بلکہ قناعت صبر واستقامت اور درویشی کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ان کی حیات طیبہ فقر کی خصوصیات کا عملی پیکر ہیں۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تصور خودی کو فقر کی ان ہی خصوصیات سے مزین کیا ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقر ذہن کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے تحت انسان کسی اعلیٰ مقصد کے لیے جدوجہد کرتا ہے لیکن اس میں معاوضے کا آرزو مند نھیں ہوتا۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خودی کی مضبوطی کے لیے یہ سب سے بڑی قوت ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کو نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقر کے معنی مادی وسائل سے بے نیازی ہے اور آج ہم اس دولت کو کھو چکے ہیں۔ حالانکہ اس کی بدولت ہم دنیا پر غالب آئے تھے۔

؎یہ فقر مردِ مسلمان نے کھو دیا جب سے

رہی نہ دولتِ سلمانی و سلیمانی [3]

فقر ہی وہ صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھی جس نے اقوام عالم کی نظر میں ان کو ایک معیار اور وقار عطا کیا جس کی بدولت وہ فاتح عالم بنے۔

؎مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے

وہ کیا تھا؟زور حیدر، فقر بوذر، صدقِ سلمانی [4]

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بال جبریل**، ذوق وشوق، ص:436

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، شکوہ، ص:196

[3] کلیات اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، فقر وراہبی، ص:564

[4] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، طلوعِ اسلام، ص:301

یہ فقر زور حیدری رضی اللہ عنہ، ایثار عثمان رضی اللہ عنہ، عشق صدیق رضی اللہ عنہ، خدمات بلال رضی اللہ عنہ ، اور عدل فاروق رضی اللہ عنہ کا عکاس ہے۔

؎حیدری فقر، نے دولتِ عثمانی ہے

تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے ؟[1]

یہی وہ اوصاف درویشی تھے جو خودی کے استحکام کے ضامن اور مروج نظام حیات میں انقلاب کے روح رواں تھے۔

؎دارو سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ

ہو جس کی فقیری مین بوئے اسد اللّٰہی[2]

ان اوصاف حمیدہ کی بناپر اصحاب رسول رضی اللہ عنہم نے تسخیر کائنات کی:

؎دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا اودریا

سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی[3]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فقر حیدری اور بوذری رضی اللہ عنہم کے ساتھ استغنائے سلمانی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خودی کے استحکام کے لیے استغنائے سلمانی کی صفت کو ایک اہم جزو قرار دیا ہے۔ درویشی میں یہی اعلیٰ مقام ہے۔

؎امارت کیا، شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل ؟

نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی[4]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شجاعت صرف مادی خطرات کے مقابلہ کے نام ہی نھیں بلکہ صبر آزما حالات میں اپنے نصب العین اور اقدار کو بر قرار رکھنا بھی شجاعت ہی کی ایک اعلیٰ شکل ہے۔ جس شخص کی خودی طاقت ور ہوتی ہے وہ زمانہ سازی سے نفرت کرتا ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ شجاعت کے حوالے سے ان کرداروں کی تقلید کا درس دیتے ہیں۔ خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے مرحب اور عنتر کو جہنم رسید کیا۔

؎نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے

وہی فطرت اسد اللہ، وہی مرحبی، وہی عنتری[5]

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، جوابِ شکوہ، ص:232

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ص:386

[3] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، طارق کی دعا، ص:432

[4] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ایک نوجوان کے نام، ص:447

[5] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، میں اور تو، ص:280

دوسری جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

؎نہ خدا رہا صنم رہے، نہ رقیب و دیر و حرم رہے

نہ رہی کہیں اسد اللٰہی نہ کہیں ابو لہبی رہی[1]

موجودہ حالات کو دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یاد کرتے ہیں۔

؎بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکہ دینِ و وطن

اس زمانے میں کوئی حیدر کرّار بھی ہے[2]

حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

؎قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن

یا خالد جانباز ہے یا حیدرِ کرار[3]

؎میرے لیے ہے فقط زورِ حیدری کافی

ترے نصیب فلاطوں کی تیزی ادراک[4]

محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں:

"دین اسلام دو چیزوں کی ترکیب سے مکمل ہوتا ہے۔ایمان اور عمل ،ایمان عرفان خدا کے بعد تکمیل پذیر ہوتا ہے۔دوسری شے عمل ہے عارف خودی اور عارف خدا کے اندر وہ غیر فانی قوت عمل ہوتی ہے جس کے سامنے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے"[5]

چونکہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم عمل کے پیکر تھے اس لیے وہ ایسے کارنامے سرانجام دے کر گئے ہیں کہ موجودہ مسلمان مالی وسائل کے باوجود بھی وہ طاقت اور غلبہ حاصل نہیں کر سکے اس لیے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فلسفہ خودی کو مستحکم کرنے کے لیے شجاعت کے جو نمونے لیے ہیں وہ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو عمل کے پیکر تھے۔

شبیر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا لقب تھا اس سے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے شبیری کی علامت بنائی ہے اور یہ حق جرات عشق، بلند حوصلہ اور ایمان کی علامت بنی ہے۔

؎حقیقت ابدی ہے مقام شبیّری

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، ص:313

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ص:396

[3] کلیات اقبال (اردو)، **ضربِ کلیم**، آزادیِ شمشیر کے اعلان پر، ص:539

[4] کلیات اقبال (اردو)، **ضربِ کلیم**، جلال و جمال، ص:635

[5] طاہر فاروقی، محمد، **سیرت اقبال**، قومی کتب خانہ، لاہور، 1979م، ص:345

بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی![1]

اہل کوفہ نے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ آپ جب یہاں تشریف لائیں گے تو ہم آپ کی بیعت کر لیں گے لیکن ان کا یہ فریب میدان کربلا کی شکل میں سامنے آیا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش کیا اور کوفہ اب قیامت تک مکر و فریب اور باطل کی حمایت کی علامت بن گیا ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ شبیری کو مجاہدے اور ایمان کے بلند ترین مقام کی علامت تصور کرتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شبیری فقیری اور درویشی کا نام ہی نہیں ہے بلکہ وہ اسی کو مسلمانی میراث قرار دیتے ہیں۔

؎ اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری

میراثِ مسلمانی، سرمایہ شبیری[2]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رسم شبیری وہ عزم حق ہے جو باطل سے ہمیشہ بر سرپیکار رہے گا اور آخر کار باطل پر فتح حاصل کرے گا اسی بنا پر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان صوفیوں اور حجرہ نشینوں کو دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

؎ نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیّری

کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری[3]

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلام میں نام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی علامت و تلمیح کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ دریائے فرات کے کنارے میدان کربلا میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ اس کو علامہ محمد اقبال رضی اللہ عنہ نے "ذوق و شوق" میں نام حسین رضی اللہ عنہ کو صاحب جرات و کردار کا استعارہ بنا کر پیش کیا ہے۔

؎ قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں

گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوے دجلہ و فرات[4]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دریائے فرات تو اسی طرح اپنی تند و تیز لہروں میں بہہ رہا ہے لیکن افسوس آج حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جیسا جذبہ رکھنے والا امت مسلمہ میں نظر نہیں آرہا جو حق کی خاطر قربانی دے۔ تو گویا حق کی قربانی کی علامت نام حسین رضی اللہ عنہ قیامت تک کے لیے بن گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سچائی اور عشق مصطفےٰ کی علامت بن گیا اور حسین رضی اللہ عنہ حق و باطل کے درمیان فرق کی علامت قرار پائے۔

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ص:398

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، فقر، ص:490

[3] کلیات اقبال (اردو)، **ارمغان حجازی**، ص:741

[4] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ذوق و شوق، ص:439

؎صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسین بھی ہے عشق

معرکہ وجود میں بدر حنین بھی ہے عشق[1]

خانہ کعبہ کی امارت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مل کر مکمل کیا اور پھر رضائے الٰہی کے لیے اپنی جان بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ خانہ خدا کی تعمیر ایسے حق پرست انسان سے ہوئی اور اس کی انتہا یہ ہے کہ نواح کعبہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے خون سے پنچا ۔حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اپنی قربانی پیش کی بلکہ اپنے خاندان کے معصوم بچوں سمیت جام شہادت نوش کیا اور یزید جیسے فاجر و فاسق شخص کی اطاعت سے انکار کرکے داستان حرم کی تکمیل کی۔ مگر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ حرم کہہ کر خانہ کعبہ سے اوپر اٹھ کر اسے اسلام کا استعارہ بنا دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں اسلام کی داستان عجیب بھی ہے اور سادہ بھی ہے۔یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے لے کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک قربانیوں کا سلسلہ ہے۔ جنہوں نے قربانیوں سے اسلام کو زندہ رکھا اور اسلام کو پوری دنیا میں پھیلایا۔

؎غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم

نہات اس کی حسین ابتدا ہے اسمٰعیل[2]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ناطے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں تاقیامت موجود رہیں گے۔علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے نام سے بھی جو علائم بنائی ہیں ان سے بھی عشق مصطفٰے کا ظہور ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔براعظم افریقہ جہاں کے لوگ سیاہ فام ہیں۔یہ خطہ ارض جسے "کالی دنیا" کہا جاتا ہے۔اس خطہ ارض پر بے شمار شہدا کی پرورش ہوئی ہے۔یہ وہ سر زمین ہے جسے سورج کی حدت نے پرورش کیا ہے اور جسے اہل عشق حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے منسوب کرتے ہیں۔یہ دنیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ہی پارے کی مانند متحرک اور پرجوش ہے اسی نام کے طفیل آنکھ کی پتلی کی طرح نور اور روشنی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سارے افریقہ کو بلال رضی اللہ عنہ کے صدقے زمین کی آنکھ کی پتلی کہہ دیتے ہیں۔

؎مردمِ چشمِ زمین، یعنی وہ کالی دنیا

وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا

گرمی مہر کی پروردہ ہلالی دنیا

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ذوق و شوق، ص:439

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ص:391

عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا[1]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ خدائے پاک سے مخاطب ہو کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہیں کہ جس طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا اور تیرے نام پر سختیاں برداشت کیں۔ اے اللہ آج بھی ہم مسلمان تیرے نام پر سختیاں جھیلنے کے لیے تیار ہیں۔ چونکہ ہمارے اندر بھی توحید کی آگ موجود ہے۔ اس کو یوں علامت میں بیان فرماتے ہیں۔

؎ عشق کو، عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟

رسم سلمان واویس قرنی کو چھوڑا؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں

زندگی مثل بلال حبشی رکھتے ہیں[2]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خیال میں اذان بلال رضی اللہ عنہ میں اس سوز و تاثیر اور دلکشی نھیں بلکہ بلال رضی اللہ عنہ کا جذبہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور اب اذان ایک رسم کی طرح رہ گئی ہے۔ اس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سی روح اور جذبے کا عمل دخل نھیں اور یہی حال مسلم واعظین کا ہو گیا ہے کہ ان کی پند و نصائح میں کسی قسم کا اثر باقی نھیں رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دل میں اسلام کی محبت نھیں ہے اور اس کو یوں بیان فرماتے ہیں۔ قوم کو جو لوگ وعظ نصیحت کرتے ہیں۔ دیکھا جائے ان میں اخلاص و دردمندی کا فقدان ہے۔

اس کو یوں بیان فرماتے ہیں:

؎ رہ گئی رسمِ اذاں، روحِ بلالی نہ رہی

فلسفہ رہ گیا، تلقین غزالی نہ رہی[3]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ جہاں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں سے علامتیں بنا کر ان کے خاص اوصاف کو ظاہر کرتے ہیں ایسے ہی ان کے رہائشی مقامات سے بھی علامتیں بناتے ہیں اور ان کو علائم میں بیان کرتے ہیں اس کا تقابل اسلاف کے ساتھ کرتے ہیں اور ہماری بیماری کی نشاندہی کی ہے کہ آج مسلمان مسجد سے دور ہو گیا اور مسجدیں نمازیوں سے خالی ہیں۔ جب کہ اصحاب رضی اللہ عنہم اوصاف حجاز (مراد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ہمہ وقت اعمال مسجد میں مشغول رہتے ہیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسجدیں ہیں نمازیں پڑھی جارہی ہیں مگر اس میں اخلاص والے نمازی نہ رہے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگِ درا**، جوابِ شکوہ، ص:237

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگِ درا**، شکوہ، ص:196

[3] کلیات اقبال (اردو)، **بانگِ درا**، جواب شکوہ، ص:231

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحب اوصافِ حجازی نہ رہے[1]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور جگہ پر یک رنگی اور آزادی کی مختلف جہتیں پیش کی ہیں۔ جس میں ایک مقام پر عقل کی عیاری کے مقابلے میں عشقِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر فرماتے ہیں۔

یا عقل کی رُوباہی یا عشقِ یدُ اللّٰہی

یا حیلۂ افرنگی یا حملۂ ترکانہ[2]

یعنی یا تو عقل کی عیاری اور مکاری سیکھ لینی چاہیے جس کا نمونہ اہل یورپ کی حیلہ بازی اور حیلہ گری نے پیش کیا یا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا عشق حقیقی اختیار کرنا چاہیے جو اپنے زور اور ہمت کی بنا پر ترکانہ حملوں جیسے ثمرات عطا کرتا ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ عشقِ حیدر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

جمالِ عشق و مستی نَے نوازی

جلالِ عشق و مستی بے نیازی

کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدر

زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی[3]

اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنی پوری زندگی قربان کرنا عشق و مستی کا اعلیٰ کمال ہے۔ آپ مسلمانوں کو اس بات کا مشورہ دے رہے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کے مقصد کے لیے گامزن رہیں تاکہ کامیاب و بامراد ہوں۔ یہاں بھی ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسوہِ علی المرتضیٰ سے عشق و مستی کے حصول کا درس دیا ہے جس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ فکرِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں عشق کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سیکھنا بھی ایک نیا نکتہ نظر ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور مقام پر جراتِ رندانہ سے خالی عشق کو بھی مکاری اور روباہی قرار دیا ہے اور مضبوط بازو والے عشق کو پسندیدہ قرار دے کر عشق ید اللہی کا نام دیا ہے۔

بے جُراتِ رِندانہ ہر عشق ہے روباہی

بازُو ہے قوی جس کا، وہ عشق یدُ اللّٰہی[4]

---

[1] کلیاتِ اقبال (اردو)، **بانگِ درا**، جواب شکوَہ، ص:231

[2] کلیاتِ اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ص:394

[3] کلیاتِ اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ص:408

[4] کلیاتِ اقبال (اردو)، **ضربِ کلیم**، ص:686

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس شعر میں لکھتے ہیں کہ جس عشق رندانہ میں جرات نہ ہو وہ عشق نہیں روباہی ہے یعنی دھوکا فریب ہے۔ جس بازو میں طاقت ہے ہو اور جرات ہو وہی عشق عشق کہلانے کا حق دار ہے۔ وہ وصالِ معشوق کے لیے چالاکی و عیاری کو ناروا جانتا ہے۔ وہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چل کر جرات رندانہ کے ساتھ جان کی بازی لگانا اپنا فرض اولین سمجھتا ہے۔ عشقِ ید اللہی ہے ہی وہی جس میں قوتِ بازو موجزن ہو۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے اندر کے شرر کی تلاش میں ہیں۔ اور اس شرر کی آگ کو بھڑکا کر اسے راہِ دین میں نور کا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں تاکہ ایک عام مسلمان، مردِ مومن کے سانچے میں ڈھل جائے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس تصورِ مردِ مؤمن میں کوئی مافوق الفطرت امور نہیں ہیں۔ اور نہ ہی یہ کوئی ایسا خیالی تصور ہے کہ جس کی تکمیل ممکن نہ ہو۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

> "اقبال کے مرد مومن اور جرمن مفکّر کے فوق البشر (Super Man) میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اقبال کا انسانِ کامل اخلاقِ فاضلہ کا نمونہ ہے جبکہ فوق البشر کسی اخلاق کا قائل نہیں۔"[1]

اس مقصد کے لیے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمان کو فقر و غنا سے مبرئ ہو کر اللہ کے لیے خالص ہو جانے کا مشورہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

؎ تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر

کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوّتِ حیدری[2]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ چاہتے ہیں کہ مسلمان کو بھی دنیا میں جو کی روٹی کھاتے ہوئے اپنے فقر کا خیال نہ کرتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے رشتہ جوڑ کر اثبات حق کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔ نانِ شعیر پر ہی قوتِ مدارِ حیدری ہے اور اے مسلمان تیری مٹی میں اگر قابلیت کی چنگاری موجود ہے تو امارت اور غربت کی پرواہ نہ کر کیوں کہ زورِ بازو کا انحصار اور کامیابی کا دار و مدار دولت اور عمدہ اور لذیذ غذاؤں پر نہیں۔ ایک مرتبہ پھر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے قوت حیدری سے سبقِ زندگی یوں حاصل کیا ہے کہ قوتِ حیدری کو بلند معیارِ زندگی آسائش اور فراوانِ رزق کا محتاج قرار نہیں دیا بلکہ نانِ شعیر پر قوتِ حیدری کا دارومدار قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] یوسف حسین، ڈاکٹر، **اوجِ اقبال**، (لاہور، اقبال اکیڈمی پاکستان، طبع اول 2001م)، ص:33

[2] کلیاتِ اقبال (اردو)، **بانگِ درا**، میں اور تو، ص:280

"اقبال نے اپنے ایک مضمون میں ادبی اور فنی نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فن کار کا پہلا فرض ہے کہ اپنی خودی، اپنے اندرون اور اپنے حقیقی یا روحانی وجود کا اثبات کا کرے، اس کے لیے اظہار "انا" اور اثباتِ وجود ہی سے بقائے دوام بھی ملتی ہے۔"[1]

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ اصحاب رسول میں علامہ کا اسلوب یہ ہے کہ انھوں نے بہت سے اشعار میں اسلاف کا لفظ خالص صحابہ کرامؓ ہی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ گویا اقبال اسلاف کا تذکرہ کر کے اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم پر زور دیتے ہیں۔ اپنی مشہور نظم "شکوہ" میں اقبال نے خدائے پاک سے امت کی تنزلی اور ناگفتہ بہ صورتحال کا رونا رویا ہے اور "جواب شکوہ" میں ان کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ دونوں ہی نظمیں ذکر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پُر ہیں، یعنی "شکوہ" صحابہ کی قربانیوں کا خاکہ پیش کرتی ہے اور "جواب شکوہ" سے اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم پر عمل کی ترغیب ملتی ہے۔ شخصیات کے اعتبار سے انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں حوالہ اور دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علامہ کی اردو شاعری میں شروع سے آخر تک دیکھا جائے تو انھوں نے مسلمانوں کو جو رول ماڈل عطا کیا ہے وہ شیر خدا کی ذاتِ گرامی ہے۔ ان کے نزدیک عشق روایتی معنوں میں استعمال نھیں ہوا بلکہ عشق سے مراد عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جس کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ معیار عشق ٹھہراتے ہیں اور نوجوانان اسلام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی محبت اور عشق کا درس دیتے ہیں کہ مسلم نوجوان اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنالیں تو کامیاب ہو سکتے ہیں۔

علامہ رحمۃ اللہ علیہ خودی کے لیے فقر والی صفت میں بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ذات سے استفادہ کرتے ہیں۔ فقر کے عملی نمونے اور پیکر، اصحاب رضی اللہ عنہ کے کردار اور اعمال کی صورت میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زندہ جاوید تھے۔ فقر غربت یا محتاجی کے معنوں میں نھیں بلکہ قناعت صبر واستقامت اور درویشی کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقر حیدری اور بوذری رضی اللہ عنہم کے ساتھ استغنائے سلمانی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے خودی کے استحکام کے لیے استغنائے سلمانی کی صفت کو ایک اہم جزو قرار دیا ہے۔ اسی طرح شبیر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا لقب تھا اس سے علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے شبیری کی علامت بنائی ہے اور یہ حق جرات عشق، بلند حوصلہ اور ایمان کی علامت بنی ہے، اور شبیری کو مجاہدے اور ایمان کے بلند ترین مقام کی علامت بھی تصور کرتے ہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ سارے افریقہ کو بلال رضی اللہ عنہ کے صدقے زمین کی آنکھ کی پتلی کے لقب سے بھی متصف گردانتے ہیں۔

[1] ندوی، ابوالحسن علی، **نقوش اقبال**، لکھنؤ، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، طبع اول 1994م، ص:105

# فصل دوم:

# کلام اقبال میں تذکار اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی عصری معنویت

# تذکار اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی عصری معنویت

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کا ذکر بڑی عقیدت، محبت، والہانہ وابستگی اور بڑے ذوق وشوق کے ساتھ کیا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ انہی ہستیوں کو سارے انسانوں کے لیے نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ چونکہ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کو اللہ جل شانہ نے دنیا میں اپنی خوشنودی کا سرٹیفیکیٹ عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾[1]

ترجمہ: اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے خوش بخت نفوس قدسیہ ہیں جن کو دنیا میں ہی الہ العالمین نے جنت کا مژدہ سنا دیا تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾[2]

ترجمہ: اور ان سب سے اللہ نے سب سے اچھی چیز کا وعدہ فرمالیا ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کلام، ادب برائے ادب نہیں بلکہ ادب برائے حیات کا آئینہ دار ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام کے تمام تر کردار حرکت اور عمل پر مشتمل ہیں۔ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کے حوالے سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام کے تمام رموز استعارات، تلمیحات اور تشبیہات جامد نہیں بلکہ متحرک اور سراپا عمل ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا اردو کلام ذکر اصحاب رضی اللہ عنہم کی بنا پر پیغام حیات لیے ہوئے ہے جس پر عمل پیرا ہو کر دونوں جہاں کی کامیابیوں کے در وا کئے جاسکتے ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام میں اصحاب رسول رضی اللہ عنہم میں سے بھی مقتدر اصحاب رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے۔ جن کے کارہائے نمایاں تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھے گئے ہیں۔ یہ وہ شخصیات ہیں جنھیں اپنوں نے ہی نھیں غیروں نے بھی قدر و احترام کی نظر سے دیکھا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شخصیات کے اعتبار سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں حوالہ کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ اس لیے کہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کی نیک مخلوق اور انسانیت کے ایسے کامل شاہکار نمونے ہیں جن کا عمل

---

[1] سورۃ التوبۃ:9/100

[2] سورۃ الحدید:57/10

معیاری اور مثالی ہیں۔ اس لیے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کا ذکر گویا محبوب کی داستان شوق اور ذکر جمیل ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات، سیرت اور کردار کی جو مثالیں بطور نمونہ پیش کی ہیں وہ سب تاریخی صداقتیں ہیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھری پیروی کی علامت ہیں اور ان کے عقائد اور اعمال کی خاصیات، صحیح اور غلط، نیک اور بد، ثواب و گناہ اور جنت و جہنم کی تعین اور حد بندی ہیں۔ ماہرین ادویہ دواؤں کے خواص دریافت کر سکتے ہیں۔ سائنسدان اشیاء کی طبائع اور ان کے پوشیدہ قوت کے بارے میں جان کاری کا قیمتی خزانہ فراہم کر سکتے ہیں لیکن دنیا و آخرت کے متعلق دینی نفع کے حصول کی تاریخی مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہستیاں ہیں۔ اس لیے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف امت مسلمہ کے افراد کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیمات کی حکمتوں کو جاننے کی دعوت دی بلکہ خود بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی حیات کے بارے میں ان کے احکام و تعلیمات اور ان میں چھپی حکمتوں اور حقائق کو سخن بنایا اور تشریح و تفسیر اور مخفی حقائق کو نمایاں اور امت مسلمہ کے سامنے پر اثر انداز میں پیش کرنے ذمہ اٹھایا اور خوب پایا تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی۔

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی اسی کے متعلق لکھتے ہیں:

"شاعری میں اقبال کے بے شمار اوصاف میں سے ایک نمائندہ وصف یہ ہے کہ ان کے ہاں مستعمل بیشتر استعارے اور علامتیں اپنا اسلامی پس منظر رکھتے ہیں اور ان کی جڑیں اسلام کے آفاقی نظریہ حیات سے غذا حاصل کرتی ہیں۔ یہی استعارے اور علامتیں اقبال کی فکر میں عالمگیر انسانی قدروں میں ڈھل کر خود اقبال کو ایک آفاقی انسانی شاعری کا درجہ عطا کرتی ہیں۔ وہ تمام وجود جو اسلام کا ورثہ تھے اور جنھوں نے اسلام کو خوب صورت بنایا، اقبال کو ہمیشہ محبوب رہے۔ اقبال کی شاعری میں یہ ہستیاں بھی ایسی قدر کا حکم رکھتی ہیں جو کسی ایک طبقے یا خطے کے جسمانی اور ذہنی ارتقاء کی ذمہ دار نہ تھیں بلکہ تمام تر انسانیت اور پوری دنیا کو کئی قدم آگے لے جانے کا باعث ہوئیں۔ چنانچہ ان کا وجود اور ان کا قول فعل کسی ایک قوم یا خطے کی پہچان نہیں بلکہ اقوام عالم اور تمام خطہ ارضی ان پر ناز کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ مسلمہ انسانی اقدار کی مخالفت اور بحالی میں ان کی کوششوں کو بھی دخل تھا۔ اقبال کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے ذہن اور ضمیر کو مصلحت اور خوف کی زنجیروں سے آزادی دلانے والی ہستیوں کو اپنے شعر کے حوالے سے دنیا بھر کے فکری سرمائے کا حصہ بنا دیا"[1]

ان عظیم ہستیوں میں سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

---

[1] ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، **ملفوظات اقبال**، (اقبال اکادمی پاکستان 90-بی، گلبرگ، لاہور، طبع اول 1977م)، ص:224

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے اور ان کی تلمیحات کے ذریعے ایک پیغام دیا ہے اور یہ پیغام اپنے اندر ایک جامع حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کے افراد نہ تو داخلی نفسیاتی عوامل کے سامنے جھکیں نہ خارجی وقتی حادثات کے سامنے اور نہ ہی اپنی فکر کو اس رخ پر موڑیں جدھر حالات، ماحول یا معاشرہ لے جانا چاہتا ہے۔ بلکہ اپنی فکر کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے رنگ میں رنگ کر حالات و معاشرہ کو اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کریں۔ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح توحید و رسالت کے کامل و اکمل عقیدہ کی ہر اعتبار سے تبلیغ کریں۔ مصلحت اندیشی سے کام نہ لیں اور نہ ہی حالات کے سامنے جھکیں۔ بلکہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتے ہوئے باطل کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کریں اور حالات کے دھارے کو موڑنا سیکھیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح اسلامی شعار اور حدود اللہ کو قائم رکھنے میں فولاد سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہو جائیں۔ کمزوری نہ دکھائیں اور نہ ہی کسی قسم کا سمجھوتہ کریں۔ کیونکہ یہی عمل خودی کو قوی تر بنانے کے لیے اشد ضروری ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اردو اور فارسی شاعری میں بکثرت ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جس سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کا قلبی لگاؤ معلوم ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ ان کا لگاؤ صرف انہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہے جن کا نام لے کر انھوں نے ذکر کیا بلکہ وہ یوں بھی بات کر جاتے ہیں کہ سارے قرنِ اولیٰ کی بات ہو جائے۔ "خطاب بہ جوانانِ اسلام" بانگ درا کی معروف نظموں میں ہے علامہ محمد اقبال رضی اللہ عنہم امت مسلمہ کے نوجوانوں کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ اپنے اسلاف کو دیکھو جنھوں نے ساری دنیا کے انسانوں کو اللہ کے سامنے جھکا دیا۔ اس نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

کبھی اے نوجواں مسلم تدبرّ بھی کیا تو نے؟ — وہ کیا گردوں تھا، جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا؟

تجھے اس قوم پالا ہے آغوشِ محبت میں — کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھا — جہاں گیر و جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا[1]

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر و فکر کے ذریعے مسلم نوجوانوں کو مخاطب کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کی طرف متوجہ کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نوجوان امت مسلمہ کا سب سے قیمتی طبقہ ہے۔ اگر انھوں نے مغربی تہذیب کو اختیار کر لیا تو ان کی زندگی محال ہو جائے گی۔ چونکہ اس میں تن آسانی، غفلت شعاری ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ امت مسلمہ کے نوجوانوں کو تلمیحات کے ذریعے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

علامہ صاحب لکھتے ہیں:

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، خطاب بہ جوانانِ اسلام، ص: 207

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارہ[1]

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ قوموں کی زندگی میں ان کی تاریخ اور روایت کا امین ماضی فیصلہ کن اور بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ عظیم اسلاف کی زندگیاں اور ان کے کارنامے نہ صرف راہِ حق کا علم ہوتے ہیں بلکہ تعمیر و اصلاح کے لیے دعوت کا اور عمل کے لیے مثال کا کام دیتے ہیں۔ اسی عمل کو بنیاد بنا کر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اکابرین اسلام کی سیرتوں اور کارناموں کو نوجوانوں ملت کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے اور ان کی اتباع و پیروی کی دعوت دی ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے قیادت اور رہنمائی کا عظیم سرمایا ہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں جن کی عملی تربیت مکہ مکرمہ کے دارارقم اور مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت سے انجام پائی۔ یہی وہ کامل ہستیاں ہیں جو زمانے بھر میں ایک منفرد کام سرانجام دیتی ہیں جو انسان کا مقدر سنوارنے کے لیے حجاز مقدس سے نکل کر پیغام حق کو عام کرنے کے لیے پوری دنیا میں پھیل گئیں۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عالم انسانیت کی رہنمائی اور فلاح کے لیے اسلامی نظامِ زندگی سے بہتر کوئی نظامِ زندگی نہیں لیکن ایک طرف تو مشرق و مغرب کے خود غرض، خود پرست انسان اس نظامِ زندگی کے خلاف بر سر پیکار ہیں دوسری طرف سے مسلمان عمل ور کردار سے خالی اور مستقبل سے مایوس ہو کر حال کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کے لیے فکر مند تھے کہ تباہ حال مسلمان کے شاندار ماضی کو اس کے آج کے لیے کسی طور پر مثالی بنا دیا جائے۔ یہ مقصد ایک ایسی تحریک کا مرہون منت ہے جو ان کے لیے وسیلہ ہدایت بن سکے اور تربیت کے اعتبار سے عملی کردار ادا کر سکے۔ اس کے لیے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے وہ جماعت جو روشنی کا مینارہ بن کر بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو راہ راست پر لا سکے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ہی رہی ہے جو اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے جن کی ہر ہر صفت قیامت تک کے لیے عملی رہنمائی مہیا کرتی ہے کیونکہ ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بھی سخت زندگی اسی دنیا میں گزاری۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سمجھتے تھے کہ امت مسلمہ کے ہر فرد کو اپنے اندر صدیقیت، فاروقیت، حیدریت اور شبیریت کے اوصافُ کمال پیدا کرنا ہوں گے۔ تب کہیں جا کر وہ جوش وولولہ پیدا ہو گا جو جہان چار سو میں گرمی ہنگامہ کا ذریعہ ثابت ہو گا۔

فکر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تسلسل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام ہی علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کا زیر نظر رہا۔ امت مسلمہ کی عزت اور سربلندی ان کا مقصد رہا۔ اس مطمع نظر اور اسی مقصد کے حصول کے لیے شریعت کے اولین اور اصلی سرچشموں سے سیر ابی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالی زندگیوں کو سامنے رکھتے ہوئے نوجوان امت مسلمہ کی

---

[1] ایضاً

بیداری اور تربیت ان کی آرزو قرار پائی۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے ذکر و تخیل کی دنیا میں خود کو ہمیشہ قافلہ حجاز سے جڑے رہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر و فکر میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کردار پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیتے رہے ہیں۔ اگرچہ ہر صحابی صفات کاملہ کا مجسمہ ہے لیکن انھوں نے مختلف اوصاف کے لیے مختلف اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگیوں کو پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے "شکوہ اور جواب شکوہ" کی صورت میں مسلمانوں کو ان کا عظیم ماضی یاد کروایا ہے اور اپنے مستقبل کو بدلنے کے لیے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی بار بار زور دے کر تلقین کی ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ملت اسلامیہ کے نوجوانوں کو متنبہ کیا ہے کہ خیالی دنیا سے باہر نکل کر عمل کی راہ اختیار کرو جیسا کہ تمہارے اسلاف نے کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو ان کا ماضی یاد دلایا ہے اور جواب شکوہ میں مسلمانوں کے حال کی تصویر دکھائی ہے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کہ اس وقت مسلمانوں کے زوال کی بڑی وجہ ان کے سخت کوشی سے اور اسلاف سے دوری، بے کرداری اور بے عملی کو بتایا ہے وہ کہتے ہیں کہ انھیں اپنے اسلاف کے کارناموں کا تو احساس ضرور ہے لیکن ان اسلاف کے اتباع سے دور ہیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے "شکوہ" میں عمل سے خالی مسلمانوں کے غرور کی تصویر پیش کی ہے اور کہا ہے کہ مسلمان سستی، بے یقینی، بد اعتقادی، بد نظمی اور انتشار افتراق کو مقدر سمجھ بیٹھا ہے۔ دور حاضر کا مسلمان اپنے اسلاف کے کارناموں کو اپنے کھاتے میں ڈال کر یہ سمجھتا ہے کہ توحید کا پیغام لے کر ساری دنیا میں اس کو عام کرنا گویا یہ اللہ پر ہمارا احسان ہے جواب "شکوہ" لکھ کر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عصر حاضر کے مسلمانوں کو آئینہ دکھایا ہے اور اسے یہ بھی یقین دلایا ہے کہ اگر وہ بے عملی کی دلدل سے نکل آئیں اور اسلاف کی عملی اتباع کریں تو مستقبل ان کا ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے شکوہ اور جواب شکوہ میں اس کا نقشہ پیش کیا ہے۔ شکوہ اور جواب شکوہ میں بے شمار تلمیحات اور اشارات ایسے ہیں جن سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں ان کے اوصاف کو زندگی میں سمولینے کی تلقین کی ہے۔ چونکہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنے کردار، سیرت و اخلاق سے دنیا کی تاریخ کو بدلا۔ انسانوں کے اندر انسانیت والی صفات پیدا کیں۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق بیان کرتے ہیں:

؎یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے — جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی[1]

عصری معنویت:

(شجاعت و بہادری)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی وہ مردانِ حق تھے جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے تاریخِ انسانی کو نہ صرف نیا اور صحیح رخ دیا بلکہ اپنے لہو سے اس میں رنگ بھی بھر دیا۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں زندگی ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے جس کو استعمال کرتے ہوئے احتیاط کرنی چاہیے اور جب موت آئے گی تو اسے رب کے ساتھ ملنے کا اشتیاق ہو گا۔ صحابہ کرام کی زندگیاں اس کا مدلل ثبوت ہیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس چیز کے آرزو مند نظر آتے ہیں کہ یا اللہ نوجوانان ملت اسلامیہ میں پھر سے وہی جذبہ پیدا فرما دے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ آنے والی نسلوں کو عہد رفتہ کی یاد تازہ کراتے ہیں اور آباؤ اجداد کے کارناموں کی جھلک دکھاتے ہیں تاکہ وہ ان کے کارناموں کو دیکھ کر اس پر عمل پیرا ہو سکیں اور اپنے موجودہ مسائل کو حل کر سکیں۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عرب کے صحرا نشینوں کا کیا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے اور امت مسلمہ کو دعوتِ فکر دی ہے۔ ذیل میں چند اصحاب رسول رضی اللہ عنہم پر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام اور اس کی عصری معنویت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

؎ کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں

طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو وہ سوز اس نے پایا انھیں کے جگر میں

کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو ہلاکت نھیں موت ان کی نظر میں

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، طارق کی دعا، ص:429

دلِ مردہ مومن میں پھر زندہ کردے
وہ بجلی کہ تھی نعرہ لاتذر میں

عزائم کو سینوں میں بیدا کردے
نگاہِ مسلمان کو تلوار کردے [1]

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

؎سوچا بھی ہے اے مرد مسلماں کبھی تونے
کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر جگر دار

اس بیت کا یہ مصرعِ اول ہے کہ جس میں
پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اسرار

ہے فکر مجھے مصرع ثانی کی زیادہ
اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالدِ جانباز ہے یا حیدرِ کرار [2]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کا تذکرہ خاص طور پر بہادری، شجاعت، طاقت اور قوت کے معنوں میں کیا ہے۔ "سیف اللہ" اور "بازوئے خالد" انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کو جو اللہ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ تھا اس بنا پر ان کی قوت ایمانی ان کی جسمانی قوت پر غالب تھی، جس کی بنا پر انھوں نے مشکل معرکے بھی سر کئے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ذات سے یہ معنویت بھی مراد لیتے ہیں کہ وہ ایسی جرات و بہادری والی شخصیت تھی کہ کسی بھی حال میں سوائے اللہ کی ذات سے اثر نھیں لیتے تھے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ایمانی قوت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب آدمی اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ وہ کردار ہے کہ اگر ہم ان کی پیروی کریں تو ہم اللہ کے محبوب بن سکتے ہیں۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کو متحد ہونے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا میں جتنے بھی مسلمان ہیں ان کو مل کر خانہ کعبہ کی حفاظت کرنی چاہیے، آپس میں لڑنے کے بجائے ایک ہو کر اللہ کے گھر کی حفاظت کی جائے۔

اس پر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

---

[1] ایضاً

[2] کلیات اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، آزادیِ شمشیر کے اعلان پر، ص:539

ایک ہوں مُسلم حرَم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

جو کرے گا امتیازِ رنگ وخوں، مٹ جائے گا
تُرکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والاگُہر

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی
اُڑ گیا دُنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر

تا خلافت کی بِنا دُنیا میں ہو پھر اُستوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہُشیار باش
اے گرفتارِ ابُوبکر و علی ہُشیار باش[1]

عصری معنویت:

(اتحاد امتِ مسلمہ)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں مسلمانوں کے لیے کعبہ کی حفاظت اور اس کی نگہبانی سب سے بڑا فرض ہے۔ اور دنیا میں جتنے بھی مسلمان ہیں یہ ان سب کا فرض ہے کہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نیل کے ساحل سے لیکر کاشغر تک جتنے بھی مسلمان ہیں ان سب کو اپنے اس نصب العین کے لیے جمع ہو جانا چاہیے۔ ان میں جو بھی رنگ و نسل اور جماعت یا فرد کے امتیاز میں لگا رہا وہ مٹ جائے گا یعنی اپنی شناخت کھو بیٹھے گا خواہ وہ کوئی بھی ہو شاہی خیموں میں رہنے والا ہو ،ترکی ہو، یا عرب کے اعلیٰ گھرانے کا کوئی عرب ہو۔ اگر مسلمانوں نے نسل کو مذہب پر فوقیت دی تو مسلمان راستے کے گرد وغبار کی طرح دنیا سے ہوا ہو جائے گا یعنی بالکل ختم ہو جائے گا۔ ان کو متحد ہونا چاہیے تاکہ وہ خلافت کا اعلیٰ دور پھر سے آجائے۔ تجھے چاہیے کہ تو اپنے بزرگوں کا سا دل جگر کہیں سے ڈھونڈ لائے کہ اس کے بغیر دنیا میں خلافت کی بنیاد استوار نھیں ہو سکتی۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ آخر میں فرماتے ہیں کہ تُو تو ظاہری اور چھپی ہوئی اصولی اور جزوی، جلی اور خفی باتوں میں فرق نھیں کر سکتا یعنی تجھے یہ بھی پتا نھیں کہ بنیادی چیزیں کون سی ہیں اور غیر بنیادی کون سی ہیں۔ تو تُو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جھگڑوں میں الجھا ہوا ہے اپنے ہوش سنبھالنے کی طرف آ یعنی فرقہ بندیوں سے باہر نکل اور اپنی ملت کے لیے کچھ کر۔

حاصل یہ کہ فرقہ بندی اور نفاق و نفرت اس قوم کی شایان شان ہر گز نھیں جس کا خدا بھی ایک ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک ہے۔ قرآن بھی ایک ہے، کعبہ بھی ایک اور قومی جھنڈا بھی ایک ہے۔

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، خضرِ راہ، 283

اسی پر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم، دین بھی، ایمان بھی ایک

حرَمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک — کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک [1]

علامہ محمد اقبال رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی اس حالت سے سخت نالاں نظر آتے ہیں جس کا ذکر وہ یوں کرتے ہیں:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟[2]

عصری معنویت:

(فرقہ بندی)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ بطور ایک قوم کے مسلمانوں کے پاس وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک قوم بننے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ دنیا میں اقوام عموماً ایک جگہ آباد ہونے یا ایک ہی زبان بولنے کی وجہ سے وجود میں آتی ہیں۔ مگر مسلمان قوم کا تو اللہ بھی ایک ہے کعبہ اور قرآن بھی ایک ہے پھر متحد ہونے میں کیا رکاوٹ ہے۔ عیسائیوں کے پاس انجیل ہے مگر اس کی اصلی شکل موجود نہیں، ہندوؤں کے ہاں عقائد الگ الگ ہیں ایک سا دین نہیں ہے۔ یہود میں بعض دو خدا مانتے ہیں بعض ایک مذہبی سطح پر بھی اتحاد دوسرے مذاہب میں نہیں ہے جبکہ مذہبی عقائد کا مکمل اتحاد اسلام کے پاس موجود ہے۔ جتنے فرقے ہیں سب کا اللہ، حرم، اور قرآن ایک ہی ہے۔ جب ایسا ہے تو تفرقہ کی کیا وجہ ہے پھر کہا کہ اسلام آیا تھا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنا نسب و نام سلمان ابن اسلام ابن اسلام ابن اسلام بتلایا۔ آج ہم مسلمان اپنی ذاتوں اور قوموں کی وجہ سے تفریق پیدا کر رہے ہیں۔ ذاتوں کا حکم تو یہ ہے کہ یہ پہچان کے لیے ہوتی ہیں ورنہ "الاسد سدّی بینکم "یعنی اسلام میں تم سب برابر ہو۔ متحد نہ ہوپائے تو دنیا میں دشمنوں سے کیسے بچو گئے۔

جہاں تک ان اشعار کی معنویت کا تعلق ہے۔ اس میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو جس بات سے زیادہ تشویش تھی وہ مسلمانوں کے مابین فرقہ بندی ہے۔ دور حاضر کی بانسبت اس وقت بہت کم تھی۔ اب اس میں کافی حد تک اضافہ ہوا ہے۔ یعنی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بڑائیاں ثابت کرنے کے چکر میں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو کر فرقہ پرستی کو ہوا دے کہ اپنی صفوں میں انتشار پیدا کر رہے ہیں۔ اکابر کی شان و شوکت و مرتبہ تمہارے کہنے سے نہ بڑھتا ہے اور نہ ہی گھٹتا

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، جوابِ شکوہ، 227

[2] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، جوابِ شکوہ، 227

ہے۔اللہ کے پاس جو ان کا مقام ہے تمہاری بڑائی بیان کرنے سے اس میں نہ اضافہ ہوتا ہے نہ تمہاری بڑائی بیان نہ کرنے کی وجہ سے کمی ہوتی ہے سو مسلم ان فروعات سے اجتناب کریں اور مل کر اپنے مسائل کا حل تلاش کریں اور یوں چھوٹے چھوٹے مسائل میں الجھ کر مسلمان اپنی توانائیاں ضائع کر رہے ہیں اور باطل ان کی منتشر قوت اور کمزور حالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان پر مسلط ہو رہا ہے۔دور حاضر میں دیکھا جائے تو افغانستان، عراق، ایران، پاکستان، ان مسائل سے دوچار ہیں۔اگر ہم نے تفرقہ کو نہ روکا اور اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش نہ کی تو وہ وقت دور نھیں جب ہم باطل کے تسلط میں جکڑے جائیں گے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ علماء، مشائخ، اساتذہ، دانشور قوم کو ان فروعی مسائل سے نکال کر ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور آنے والے مسائل کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں تا کہ دوسری اقوام کی طرح ایک ہو جائیں۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک توحید جس طرح بنیادی نکتہ ہے اتحاد کا اسی طرح رسالت بھی وہ نکتہ اور بنیادی اساس ہے متحد ہونے کا علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ ساری امت مسلمہ کے افراد ایک وحدت کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ اتحاد اسی صورت میں ہی قائم ہو سکتا ہے جب مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح گھر کر جائے جیسا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں تھا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان سو فیصد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے تو پھر ان میں اتحاد و محبت اور وحدت کی فضا پیدا ہو گی۔جب مسلمان ایسا کریں گئے تو رب کریم کے محبوب بن جائیں گے اور پھر رب کی پناہ میں آ جائیں گے اور یہ ساری دنیا سے طاقت ور بن جائیں گے۔چونکہ ان کے ساتھ اللہ رب العزت کی مدد ساتھ ہو گی۔جس طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دل و جان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع کی وجہ سے خدا کے قریب ہو گئے یہی راستہ ہم سب کے لیے ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پر پوری نظم لکھی ہے۔جو کہ اس نظم میں واقعہ کا ذکر ہے۔اس نظم میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت کے ساتھ ساتھ ان کے ایثار و قربانی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایمان کو تازہ کر دینے والا واقعہ ذکر کیا ہے۔

علامہ صاحب فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| ؎ارشاد سن کے فرط طرب سے عمر رضی اللہ عنہ اٹھے | اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار |
| دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدّیق رضی اللہ عنہ سے ضرور | بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار |
| لائے غرض کہ مال رسول امیں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس | ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار |

پوچھا حضور سرورِ عالم ﷺ نے اے عمر رضی اللہ عنہ! اے وہ کہ جوش حق سے ترے دل کو ہے قرار!

رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تُو نے کیا؟ مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار

کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق باقی جو ہے وہ ملّتِ بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رفیقِ نبوّت بھی آگیا جس سے بنائے عشق و محبّت ہے استوار

لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت ہر چیز، جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار

مِلکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس اسپ قمر سم و شتر و قاطر و حمار

بولے حضور ﷺ چاہیے فکرِ عیال بھی کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار

اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر اے تیری ذات باعث تکوین روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ہے خدا کا رسول ﷺ بس![1]

عصری معنویت:

(عشق رسول ﷺ)

اس واقعہ سے جو اہم سبق ملتا ہے وہ یہ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دینی امور پر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کا شوق تھا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنا اپنے لیے سعادت اور خوش قسمتی سمجھتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا اس قدر تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سب کچھ قربان کر دیا۔ یہ وہ اکمل یقین ہے جس کی مثال رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے گی۔ دوسرا یہ کہ اطاعت رسول ﷺ ان کی زندگی میں ایسی پختہ اور لازمی ہو گئی تھی کہ جیسے بھی حالات ہوں نبی کریم ﷺ کے ارشادات و احکامات کی تکمیل ان کے لیے سب سے مقدم ہوتی تھی۔ چاہے گھر ویران ہو جائیں، جان چلی جائے، گھروں میں قحط آجائے، لیکن حکم نبی کریم ﷺ میں کوتاہی کرنا ان کے لیے ناممکن تھا ۔ جن حالات میں غزوہ تبوک کی تیاری ہوئی، ملک میں قحط تھا۔ سخت گرمی بڑھ رہی تھی۔ فصلیں پکنے کے قریب تھیں، سرمائے

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، صدّیق، ص:252

کی بے حد قلت تھی اور دنیاوی اعتبار سے ایک بہت بڑی طاقت قیصر روم کی عظیم الشان طاقت سے ٹکرانے جارہے تھے۔ لیکن اللہ کے بھروسے پر آپ ﷺ کے ارشاد کو سننے کے بعد ان نامساعد حالات میں اصحاب رسول ﷺ جب نکلے تو فتح سے ہمکنار ہوئے اگرچہ ہر صحابی کی قربانی ایک اعلیٰ درجے کی تھی۔ لیکن علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رفیق نبوت سب پر بازی لے گئے تا قیامت تک ایک مثال قائم کر گئے اور امت مسلمہ کو یہ درس دے گئے کہ جب بھی دین پر مشکل وقت آئے تو اس کے لیے سارا مال و جان اور وقت قربان کرنا خوش قسمتی اور سعادت سمجھنا۔یہی صدیقی نسبت ہے۔

غلام رسول مہر اسی واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں:

"رفیق نبوت سے اشارہ ہے۔حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اس لیے کہ وہ اکثر مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔اقبال خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تمام فضائل ایک مصرع میں جمع کر دیئے ہیں یعنی ثانی اسلام وغار وبدر وقبر"[1]

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے رفیق نبوت کی تلمیح استعمال کی ہے۔بہت لمبی رفاقت نبوی ﷺ کی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی اور وہ کسی دوسرے کے مقدر میں نہ تھی۔علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کو خصوصی اہمیت دینا چاہتے ہیں۔یہاں پر اور اس کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عشق و محبت کی اساس قرار دیتے ہیں۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت کے نمایاں ترین دو پہلوں ہیں ایک عشق مصطفیٰ ﷺ اور دوسرا اطاعت رسول ﷺ ہے۔گویا قربت و نبوت عشق مصطفیٰ اور ایفائے عہد صدیقیت کے اہم عناصر ہیں۔یہی وہ اہم پہلو ہیں جو امت مسلمہ کے افراد کی تعمیر سیرت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی بیان کرتے ہیں:

"کہ اس نظم کے ذریعے سے علامہ اقبال نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک مثالی مسلمان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ان کا خلوصِ نیت، ایمان کی پختگی، دین کے لیے قربانی کا جذبہ اور سب سے بڑھ کر رسول پاک ﷺ سے محبت ، کردار کی ان اعلیٰ صفات کی بنا پر وہ زندگی بھر آپ ﷺ کے رفیق رہے اور بعد مرگ بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ روضہ اطہر میں آپ ﷺ کے روضے کے اندر ہی دفن ہیں"[2]

---

[1] غلام رسول مہر، **مطالب بانگ درا**، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1987م)، ص:277

[2] محمد ریاض، ڈاکٹر، حمید یزدانی، رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، **اقبال بچوں اور نوجوانوں کے لیے**، (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 1984م)، ص:37

مذکورہ بالا اقتباس میں مصنف نے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت کو بیان کیا ہے۔اس بات کو سمجھنے کے لیے صدیقی رضی اللہ عنہ آنکھ کی ضرورت ہے۔جب اس آنکھ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے کو سمجھا تو سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔غزہ تبوک کا واقعہ اس کا بین ثبوت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے راہ خدا میں سب کچھ پیش کر دیا۔علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے امت مسلمہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوزِ صدیق رضی اللہ عنہ اپنانے کی تلقین کی ہے بلکہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ ایزدی میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ دعا کرتے ہیں کہ آج ہم میں سوزِ صدیق نھیں رہا۔اے دوجہاں کے خالق تو ہمیں وہ عطا کر چونکہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی سربلندی اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے صرف مال ہی خرچ نھیں کیا بلکہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مینارہ نور بنے رہے ہیں۔

مسلمانوں کا اشرف الناس اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشرف الامم ہونا کثیر احادیث سے وارد ہوا ہے۔قرآن مجید کی آیات میں بھی کئی مقامات اس مضمون کو صراحتہً و اشارۃً بیان فرمایا گیا ہے۔اس امت کا تمغہ امتیاز یہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ "بال جبریل" میں امت مسلمہ کے لیے نسخہ ہائے کیمیا بتاتے ہیں کہ اگر امت مسلمہ کے دلوں کی کیفیات انسانوں کی ہدایت کے حوالے سے وہ بن جائے جو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تھی یعنی ان کے دلوں میں امت کا غم درد پیدا ہو جائے۔یہ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے حریص ہو جائیں تو پھر ان کے ساتھ اللہ کی پوری مدد و نصرت ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دل بیدار فاروقی، دل بیدار کرّاری — مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک — نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری[1]

مولانا غلام رسول مہر اسی حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"جس انسان کا دل بیدار ہو جائے۔اس میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے اوصاف و خصائص کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔حق یہ ہے کہ آدمی تانبا ہے دل کی بیداری اس کے لیے کیمیا کی حیثیت رکھتی ہے اور اس تانبے کو سونا بنا دیتی ہے"[2]

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، ص:375

[2] مہر، غلام رسول، **مطالب بال جبریل**، (شیخ غلام اینڈ سنز، لاہور، طبع ہفتم 1991)، ص:55

یہ بال جبریل کی غزل کے اشعارِ خودشناسی کے حوالے سے ہیں گویا علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفہ خودی سے اس کی کڑیاں ملتی ہیں۔علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس بات کا سبق دیتے ہیں کہ اصل انسان وہ ہے جو اس دنیا میں اپنی حیثیت کو پہچان کے یعنی اپنے آپ کو پہچاننے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو بیدار کرے دل کی بیداری یہ ہے کہ انسان تمام مخلوق کے لیے رحمت بن جائے یعنی یہ فائدہ دینے والا ہو اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو اپنے قول سے فعل سے یہاں تک کہ اپنی سوچ وفکر کو بھی مخلوق خدا کی اچھائی کے لیے استعمال کرے۔

اسی طرح اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کلام میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند — تھی منتظر حنا کی عروسِ زمینِ شام

اک نوجوان صورتِ سیماب مضطرب — آ کر ہوا امیر عسا کر سے ہم کلام

اے بوعبیدہ رخصت پیکار دے مجھے — لبریز ہو گیا ہے میرے صبر وسکوں کا جام

بے تاب ہو رہا ہوں فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں — اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام

جاتا ہوں میں حضورِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں — لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہوں کوئی پیام

یہ ذوق وشوق دیکھ کر پر نم ہوئی وہ آنکھ — جس کی نگاہ تھی صفتِ تیغِ بے نیام

بولا امیر فوج کہ وہ نوجوان ہے تو — پیروں پہ تیرے عشق کا ہے واجب احترام

پوری کرے خدائے محمد جل شانہ تیری مراد — کتنا بلند تیری محبت کا ہے مقام

پہنچے جو بارگاہ رسول امیں صلی اللہ علیہ وسلم میں تو — کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام

ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے — پورے ہوئے جو وعدے کئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے[1]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ میں ایک مومن کی شہادت کا تذکرہ کیا ہے جو امین الامت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن جراح کو یہ کہہ رہے ہیں کہ میں بہت جلد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہوں، اگر کوئی پیغام ہو تو آپ

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، جنگِ یرموک کا ایک واقعہ، ص:276

مجھے دے دیجیے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس واقعے کو سامنے لا کر ہمیں یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ ایک وقت تھا مسلمان کو اللہ کی ذات پر کتنا اعتماد اور یقین تھا۔ اس واقعہ کو بیان کر کے اقبال رحمۃ اللہ علیہ جذبہ شہادت بیدار کرنا چاہتے ہیں جو زندگی کی اصل متاع ہے چونکہ ایمان والوں کے ہاں اس سے بڑی اور کوئی نعمت نہیں کہ اگر اللہ جل شانہ کسی کو اس منصب شہادت سے نواز دیں تو یہ اس کا خاص انعام ہے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے میزبان رسول رضی اللہ عنہ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

خطہ قسطنطنیہ یعنی قیصر کا دیار — مہدی امت کی سطوت کا نشانِ پائیدار
صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے — آستانِ مسندِ آرائے شاہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے

نکہتِ گُل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا — تربتِ ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے آتی ہے صدا
اے مسلماں! ملتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر — سینکڑوں صدیوں کی کشت و خوں کا حاصل ہے یہ شہر[1]

عصری معنویت:

(تصور فقر)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بہت بڑی ہے کہ ان کو میزبانی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف اللہ کی طرف سے عطا ہوا اور اللہ کی طرف سے انھیں جو محبوبیت ملی ہے اس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ مدینہ کی پوری بستی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کے لیے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہی پسند آئے۔ چونکہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ کمال محبت وعقیدت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھی جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بحکم خداوندی سیدھی ان کے گھر کے سامنے جا کر ٹھہر گئی یہی محبت وعقیدت اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہر مسلمان کے دل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا تصورِ فقر اردو شاعری میں ایک نئی اور منفرد فکر ہے۔ زندگی سے فرار، پرہیز گاری یا ترکِ دنیا اس کا احاطہ نہیں بلکہ انسانی عروج کے لیے فقر کا رواں اور برسرِ عمل رہنا ضروری ہے۔ وہ حق و باطل کی آمیزش میں حصہ لیتا ہے اور مثبت اور اخلاقی قدروں کے ذریعے معاشرے کو صحت مند اور پاکیزہ بنانے میں مدد کرتا ہے۔ وہ مادیت میں ملوث نہیں ہوتا کیوں کہ استغنا اس کی بنیاد سرشت ہے جو انسان کے اندر نیک نیتی کو فروغ دیتی ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فقر سے مراد خودی کی پہچان اور اس کا صحیح استعمال ہے۔

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **بانگ درا**، حصہ سوم بلادِ اسلامیہ، ص: 171

؎ قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن　　　　یا خالدِ جانباز ہے یا حیدرِ کرار[1]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر مومن کے ہاتھ میں فقر کی تلوار آجائے تو وہ یا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ جری بن جائے گا یا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسا جانباز۔ حاصلِ کلام فقر ایمان کے ساتھ مل کے ناقابلِ تسخیر قوت بن جاتا ہے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فقر کے مفہوم کو وسعت دی ہے اور واضع کیا ہے کہ نہ صرف فرد کی روحانی ارتقا بلکہ معاشرے کی صحت مند اور قومی و ملّی سربلندی کے لیے بھی فقر کا رویہ اور قلندرانہ طرزِ عمل اپنانا ضروری ہے۔ اس معاملے پر ابو الحسن علی ندویؒ اپنی کتاب میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات اور ان کی فکر کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

لکھتے ہیں:

> "وہ کہنے لگے کہ اسلام اپنے پیرووں میں عملیت اور حقیقت پسندی پیدا کرتا ہے اور ادھر آج کی سائنس بھی اپنی حقیقت پسندی اور تخیلات سے گریز میں اسلام سے قریب نظر آتی ہے اسلام کی دو صدیوں میں مسلمانوں میں یہ روح زندہ رہی جس کے نتیجے میں وہ عقیدہ و عمل، سیرت و اخلاق کے جادہ استوار پر گامزن رہے لیکن یونانی فلسفہ الٰہیات نے مشرق کو مردِ بیمار اور بے کار بنا دیا۔۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ بھی اسی وقت ہوئی جب اس نے اپنے کندھوں سے مابعد الطبیعیات کا جوا اتار پھینکا اور مفید نتیجہ خیز علوم کی طرف متوجہ ہوا۔"[2]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فقرِ غیور کی ترکیب غیر اسلامی فقر متضاد کے طور پر استعمال کی ہے۔ فقر غیور اور اسلامی فقر دو ایسے مختلف اور متضاد رویے ہیں جو متوازی خطوط کی طرح کبھی آپس میں نھیں ملتے۔ بال جبریل کی نظم فقر میں دونوں اصناف فقر کا باہمی موزانہ کیا گیا ہے۔ ایک فقر، کم ہمتی بزدلی اور پسپائی سکھاتا ہے۔ دوسری نوعیت کا فقر امامت و امارت کا راستہ دکھا کر فقیر کا رشتہ حضرت شبیر رضی اللہ عنہ سے جوڑتا ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ چاہتے ہیں کہ آج کل کے مسلمان بھی ایمان پر قائم ہوتے ہوئے فقر کے دامن کو مستحکم پکڑیں۔

فقرِ شبیری کی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے امام حسین رضی اللہ عنہ کا یوں ذکر کرتے ہیں:

؎ اک فقر ہے شبّیری، اس فقر میں ہے میری　　　　میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبّیری[3]

یعنی فقرِ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میں سرداری اور برتری ہے۔ یہی دراصل مسلمان کا ورثہ ہونے کے ساتھ ساتھ امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس کا سرمایہ ہے اور یہی میراث و سرمایہ ایک مسلمان کے لیے باعثِ فخر ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **ضرب کلیم**، آزادی شمشیر کے اعلان پر، ص:539

[2] ندوی، ابو الحسن علی، **نقوش اقبال**، ص:36

[3] کلیات اقبال (اردو)، **بالِ جبریل**، فقر، ص:490

کے نزدیک شبیریت ایک ایسا سرمایہ فقر ہے جو امت مسلمہ کے نوجوانوں کو بے نیازی کی دولت سے سرشار کرتی ہے جس کے سامنے ساری دنیا کے خزانے کوئی حیثیت نھیں رکھتے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ساری عمر عمل کا درس دیا ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں عالم اسلام بہت ساری مشکلات سے دوچار تھے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان حالات میں بھی اپنے کلام میں جابجا عمل کا درس دیتے ہیں اور رسم شبیری کو ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک عمل سب کچھ ہے۔

علامہ صاحب لکھتے ہیں:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری — کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری[1]

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سرمایہ شبیری کو مسلمانون کی زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ سمجھتے ہیں کیونکہ شبیریت باطل اوت طاغوتی قوتون کے مقابلے میں سینہ سپر ہونے کا نام ہے شبیریت حق کے احیام کا نام ہے۔ شبیری سرمایہ مسلمان ہے اور شبیری وہ جذبہ ہے جس سے دنیا میں امن و آشتی اور حق کو غالب کیا جاسکتا ہے۔ اشاعت اسلام کا سہرا برصغیر میں صوفیائے کرام کے سر ہے اور صوفیائے کرام کے ہاں خانقاہی سلسلہ تھا۔ مسلمانوں کو اس قیادت کے ذریعے بیدار کیا جاسکتا تھا۔ چونکہ برصغیر کے مسلمان اس خانقاہی نظام سے منسلک تھے۔ چنانچہ وہ عمل کی دعوت دیتے ہوئے اہل خانقاہ کو اسوہ حسینی اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس لیے کہ صوفیائے کرام سے لوگوں کو عقیدت ہے۔ اس لیے اگر یہ حضرات اپنے مریدین کو اس طرف لائیں تو یہ دنیا میں حق کے پرچار، احیائے دین اور علائے کلمۃ اللہ کے لیے بہت کچھ کرسکتے ہیں۔

مذکورہ بالا ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا اردو کلام ذکر اصحاب رضی اللہ عنہم کی بنا پر پیغام حیات لیے ہوئے ہے جس پر عمل پیرا ہو کر دونوں جہاں کی کامیابیوں کے دروا کئے جاسکتے ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اردو کلام میں اصحاب رسول رضی اللہ عنہم میں سے بھی مقتدر اصحاب رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے۔ جن کے کارہائے نمایاں تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھے گئے ہیں۔ یہ وہ شخصیات ہیں جنھیں نہ صرف اپنوں نے بلکہ غیروں نے بھی قدر و احترام کی نظر سے دیکھا۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات، سیرت اور کردار کی جو مثالیں بطور نمونہ پیش کی ہیں وہ سب تاریخی صداقتیں ہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھری پیروی کی علامت ہیں اور ان کے عقائد اور اعمال کی خاصیات،

---

[1] کلیات اقبال (اردو)، **ارمغان حجاز**، ص: 741

صحیح اور غلط، نیک اور بد، ثواب و گناہ اور جنت و جہنم کی تعین اور حد بندی ہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے اور ان کی تلمیحات کے ذریعے ایک پیغام دیا ہے کہ امت مسلمہ کے افراد نہ تو داخلی نفسیاتی عوامل و خارجی وقتی حادثات کے سامنے جھکیں اور نہ ہی اپنی فکر کو اس رخ پر موڑیں جدھر حالات، ماحول یا معاشرہ لے جانا چاہتا ہے، بلکہ اپنی فکر کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے رنگ میں رنگ کر حالات و معاشرہ کو اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کریں۔ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی طرح توحید و رسالت کے کامل و اکمل عقیدہ کی ہر اعتبار سے تبلیغ کریں۔ مصلحت اندیشی سے کام نہ لیں اور نہ ہی حالات کے سامنے جھکیں۔ بلکہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتے ہوئے باطل کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کریں اور حالات کے دھارے کو موڑنا سیکھیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح اسلامی شعار اور حدود اللہ کو قائم رکھنے میں فولاد سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہو جائیں۔ کمزوری نہ دکھائیں اور نہ ہی کسی قسم کا سمجھوتہ کریں، کیونکہ یہی عمل خودی کو قوی تر بنانے کے لیے اشد ضروری ہے۔

علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عالم انسانیت کی رہنمائی اور فلاح کے لیے اسلامی نظام زندگی سے بہتر کوئی نظام زندگی نہیں لیکن ایک طرف تو مشرق و مغرب کے خود غرض، خود پرست انسان اس نظامِ زندگی کے خلاف بر سرِ پیکار ہیں دوسری طرف سے مسلمان عمل و کردار سے خالی اور مستقبل سے مایوس ہو کر حال کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے لیے فکر مند تھے کہ تباہ حال مسلمان کے شاندار ماضی کو اس کے آج کے لیے کسی طور پر مثالی بنا دیا جائے۔ یہ مقصد ایک ایسی تحریک کا مرہون منت ہے جو ان کے لیے وسیلہ ہدایت بن سکے اور تربیت کے اعتبار سے عملی کردار ادا کر سکے۔ اس کے لیے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے وہ جماعت جو روشنی کا مینارہ بن کر بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو راہ راست پر لا سکے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ہی رہی ہے جو اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے جن کی ہر ہر صفت قیامت تک کے لیے عملی رہنمائی مہیا کرتی ہے کیونکہ ان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بھی سخت زندگی اسی دنیا میں گزاری۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سمجھتے تھے کہ امت مسلمہ کے ہر فرد کو اپنے اندر صدیقیت، فاروقیت، حیدریت اور شبیریت کے اوصافُ کمال پیدا کرنا ہوں گے۔ تب کہیں جا کر وہ جوش و ولولہ پیدا ہو گا جو جہان چار سو میں مسلمانوں کو کامیابی سے ہمکنار کرے گا۔

# خلاصہ بحث

اقبال نے اپنی نظم ونثر میں اصحاب رسول ﷺ کا ذکر بڑی عقیدت، محبت، والہانہ وابستگی اور بڑے ذوق وشوق کے ساتھ کیا ہے۔ اقبالؒ انہی ہستیوں کو سارے انسانوں کے لیے نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ چونکہ یہ وہ ہستیاں جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنی خوشنودی کا سرٹیفکیٹ عطا کیا جو تمام انسانوں کے لیے مینارہ نور کا درجہ رکھتا ہے۔ اقبال ایک ایسا شاعر ہے جس کا پیغام ادب برائے ادب کا علمبر دار نھیں بلکہ ادب برائے حیات کا آئینہ دار ہے۔ اقبال کی شاعری کے تمام کردار حرکت و عمل کا عملی پیکر ہیں۔ اصحاب رسول ﷺ کے حوالے سے اقبال کی شاعری کے تمام رموز و علائم، استعارات و تلمیحات اور تشبیہات جامد نھیں بلکہ متحرک ہیں اور سراپا عمل ہیں۔ اقبال کا کلام ذکرِ اصحاب رسول ﷺ کی بنا پر پیغام حیات کے دُہرے معنی لیے ہوئے ہے۔ جن پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت دونوں جہاں کی کامیابیوں کے در وا کیے جاسکتے ہیں۔ اقبال کی نظم و نثر میں اصحاب رسول میں سے بھی مقتدر اصحاب کا ذکر ہے۔ جن کے کارہائے نمایاں تاریخ کے اوراق میں سنہرے حروف سے لکھے گئے ہیں۔ یہ وہ شخصیات ہیں جنھیں اپنوں ہی نھیں پرایوں نے بھی قدر و احترام کی نظر سے دیکھا۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ جو عقیدت تھی اس کا اظہار ان کی چشمِ نمناک اور دیدۂ تر سے ہوتا تھا کہ جہاں کسی نے حضور ﷺ کا نام ان کے سامنے لیا، ان پر جذبات کی شدت اور رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کا نام آتے ہی اور ان کا ذکر چھڑتے ہی اقبال رحمۃ اللہ علیہ بے قابو ہو جاتے تھے۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ بہت سے اشعار میں "اسلاف" کا لفظ خالص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے لیے استعمال کرتے ہیں، گویا اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کا تذکرہ کر کے بالعموم تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بالخصوص خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اتباع کا سبق دیتے ہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ ایک سچے عاشقِ رسول ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے بھی مداح تھے، علامہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فکر رسا کا منبع در اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کو قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غلام کہلواتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی اردو شاعری میں بکثرت ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ جس سے حضرات اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

ان کا قلبی لگاؤ معلوم ہوتا ہے، یہ نہیں کہ ان کا لگاؤ صرف انہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے ہے جن کا نام لے کر انھوں نے ذکر کیا ہے بلکہ وہ یوں بھی بات کر جاتے ہیں کہ سارے قرنِ اولیٰ کی بات ہو جائے۔

علامہ نے اصحاب رسول کے تذکرہ میں منفرد اسلوب اختیار کیا ہے وہ صحابہ کرام واہلِ بیت اطہار کو مسلمانوں کے لیے رول ماڈل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں عشق کا روایتی معنی مراد نہیں لیا گیا بلکہ عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم مراد لیا گیا ہے۔ وہ صحابہ کرام کے عشق کو معیار بناتے ہوئے نوجوانان اسلام کو ویسا عشق اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ علامہ خودی کے لیے فقر

والی صفت کا استفادہ بھی صحابہ واہلِ بیت کی ذوات سے کرتے ہیں۔ انھوں نے "فقر" کو غربت و محتاجی کے معنوں میں نہیں لیا بلکہ اسے قناعت، صبر، استقامت اور درویشی کے معنی میں لیا ہے۔ بے نیازی کے لیے استغنائے سلمانی کی اصطلاح کا استعمال کیا ہے۔ الغرض علامہ نے اپنی اردو شاعری کے اسلوب میں صحابہ کرام کی ذوات قدسیہ اور ان کی صفات کو بطور اصطلاح کے استعمال کیا ہے۔

علامہ رحمۃ اللہ علیہ کا اردو کلام ذکر اصحاب رضی اللہ عنہم کے لبادہ میں پیغام حیات لیے ہوئے ہے جس پر عمل پیرا ہو کر دونوں جہاں کی کامیابیاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس انداز سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیات، سیرت اور کردار کی جو مثالیں بطور نمونہ پیش کی ہیں وہ سب تاریخی صداقتیں ہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھری پیروی کی علامت ہیں اور ان کے عقائد اور اعمال کی خاصیات، صحیح اور غلط، نیک اور بد، ثواب و گناہ اور جنت و جہنم کی تعین اور حد بندی ہیں۔ علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے اور ان کی تلمیحات کے ذریعے ایک پیغام دیا ہے کہ امت مسلمہ کے افراد نہ تو داخلی نفسیاتی عوامل و خارجی وقتی حادثات کے سامنے جھکیں اور نہ ہی اپنی فکر کو اس رخ پر موڑیں جدھر حالات، ماحول یا معاشرہ لے جانا چاہتا ہے، بلکہ اپنی فکر کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے رنگ میں رنگ کر حالات و معاشرہ کو اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کریں۔ مصلحت اندیشی سے کام نہ لیں اور نہ ہی حالات کے سامنے جھکیں۔ بلکہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتے ہوئے باطل کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کریں اور حالات کے دھارے کو موڑنا سیکھیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح اسلامی شعار اور حدود اللہ کو قائم رکھنے میں فولاد سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہو جائیں۔ کمزوری نہ دکھائیں اور نہ ہی کسی قسم کا سمجھوتہ کریں، کیونکہ یہی عمل خودی کو قوی تر بنانے کے لیے اشد ضروری ہے۔

# نتائج بحث

زیر نظر موضوع سے حاصل ہونے والے نتائج درج ذیل ہیں:

1۔رسول اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے علامہ کو بے انتہاء محبت اور عشق تھا، جس کا اظہار ان کی شاعری میں واضح انداز میں نظر آتا ہے۔

2۔صحابہ کرام سے بھی علامہ کو دلی عقیدت تھی، اور وہ صحابہ کرام کی ذات کو رول ماڈل کی حیثیت دیتے تھے اور اپنی شاعری میں ان کے نام یا ان کی صفات و کردار کی مثالیں دے کر نوجوانان اسلام کے خون کو گرماتے ہیں کہ کس طرح انھیں صحابہ کی زندگی سے نمونہ حیات اخذ کرنا چاہیئے۔

3۔اقبال نے اپنے اردو کلام جہاں خلفائے راشدین کے علم و عمل، سچائی، عدل، غنا اور بہادری کے فیضان کی بات سناتے ہیں وہیں ان کے سوز و ساز سے بھی حصہ مانگنے کی آرزو کرتے ہیں۔

4۔علامہ کو اہلِ بیت اطہار سے والہانہ محبت، انس اور گہری عقیدت تھی۔ آپ واضح انداز میں اہلِ بیت اطہار کی عظمت و شان، ہمت و شجاعت، بہادری اور قربانی کی لازوال داستان کا واشگاف انداز میں ذکر کرتے ہیں۔

5۔علامہ کا اسلوب یہ ہے کہ انھوں نے بہت سے اشعار میں اسلاف کا لفظ خالص صحابہ کرامؓ ہی کے لیے استعمال کیا ہے۔ گویا اقبال اسلاف کا تذکرہ کر کے اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم پر زور دیتے ہیں۔

6۔علامہ نے اپنی اردو شاعری میں شیر خدا حضرت علی المرتضی کو مسلمانوں کیلیے رول ماڈل قرار دیا ہے۔

7۔علامہ اقبال نوجوانان اسلام کیلیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیار قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی محبت رسول ﷺ اور عشق رسول ﷺ اپنا لیں تو کامیاب ہو سکتے ہیں۔

8۔علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے اور ان کی تلمیحات کے ذریعے ایک پیغام دیا ہے کہ امت مسلمہ کے افراد نہ تو داخلی نفسیاتی عوامل و خارجی وقتی حادثات کے سامنے جھکیں اور نہ ہی اپنی فکر کو اس رخ پر موڑیں جدھر حالات، ماحول یا معاشرہ لے جانا چاہتا ہے، بلکہ اپنی فکر کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی اطاعت کر کے معاشرہ کو اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کریں۔

9۔علامہ نے امت مسلمہ کو پیغام دیا ہے کہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم کی طرح توحید ورسالت کی تبلیغ کریں۔ مصلحت اندیشی سے کام نہ لیں اور نہ ہی حالات کے سامنے جھکیں بلکہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتے ہوئے باطل کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کریں اور حالات کے دھارے کو موڑنا سیکھیں۔

## سفارشات و تجاویز

زیر نظر مقالہ کو تحریر کرنے کے بعد درج ذیل تجاویز وسفارشات مرتب کی ہیں:

علماء کیلیے:

- علمائے کرام کو چاہیے کہ محراب ومنبر سے محبت اہلِ بیت اور محبت صحابہ کرام کی تبلیغ کریں اور اس سلسلے میں علامہ اقبال کی شاعری کو بطور حوالہ ذکر کریں۔
- علمائے کرام کو چاہیے کہ محبت اہلِ بیت اور محبت صحابہ کے حوالے سے علامہ اقبال کے کردار کو عام کریں۔
- علمائے کرام کو چاہیے کہ اپنے خطبات اور وعظ میں علامہ اقبال کی شاعری سے نوجوان نسل کے سینوں کو جلا بخشیں۔

حکومت، تعلیمی اداروں اور تنظیمات کیلیے:

- علامہ اقبال کے اردو کلام میں تذکار اصحاب رسول پر علیحدہ علیحدہ کتابیں تحریر کی جائیں۔
- تعلیمات اقبال کو عام کرنے کے لیے عوامی اور علمی طبقوں میں نشستوں کا انعقاد کیا جائے۔
- تعلیمات اقبال میں تذکار اصحاب رسول کو اجاگر کرنے کے لیے سیمینار کا انعقاد کیا جائے۔
- تعلیمات اقبال میں عقیدہ تعظیم آل رسول اور اصحاب رسول کو معاشرے میں روشناس کروانے کے لیے اخبارات اور کالم تحریر کیے جائیں۔
- حکومت پاکستان سے سے گزارش ہے کہ تمام تعلیمی اداروں میں اقبالیات کو لازمی قرار دیا جائے۔

# فہارس

# فہرست آیات



| نمبر شمار | آیت کریمہ | سورۃ کانام | آیت نمبر | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|---|
| 1 | الا تنصروه فقد نصره الله اذ اخرجه ---- | توبۃ | 40 | 19 |
| 2 | اذیقول لصاحبه لا تحزن---- | توبۃ | 40 | 19 |
| 3 | والسابقون الاولون --- | توبۃ | 100 | 24 |
| 4 | لقد من لله اذ بعث فيهم رسولا | آل عمران | 164 | 25 |
| 5 | والذين آمنوا و هاجروا وجهدوا | الانفال | 74 | 25 |
| 6 | محمد رسول الله والذين معه اشداءعلى الكفار | الفتح | 29 | 25 |
| 7 | لا يستوى منكم من انفق | الحدید | 10 | 26 |
| 8 | رضی لله عنهم ورضواعنه | توبۃ | 100 | 26 |
| 9 | ويؤثرون على انفسهم ولو كان | الحشر | 9 | 26 |
| 10 | والذی جاء باالصدق و صدق به اولئک | الذمر | 33 | 53 |
| 11 | ومن يطع الله والرسول فاولئک ---- | الانبیاء | 70/69 | 59 |
| 12 | احل لكم ليلية الصيام الرفث | البقرۃ | 187 | 59 |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| 13 | فلا ربک لا یؤمنون حتیٰ | النساء | 64 | 63 |
| 14 | سبحٰنک ھذا بہتان عظیم | النور | 16 | 63 |
| 15 | یاایھاالذین آمنو ا لا تدخلوا | النور | 27 | 63 |
| 16 | لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونک | الفتح | 18 | 64 |
| 17 | ذلک الذی یبشراللہ | الشوریٰ | 23 | 72 |
| 18 | فمن حاجک فیہ من بعد | آل عمران | 61 | 73 |
| 19 | انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس | الاحزاب | 33 | 73 |
| 20 | انہ لیس من اھلک | الھود | 46 | 104 |
| 21 | قالوا اتعجبین من امر اللہ | الھود | 73 | 104 |
| 22 | اذراٰی ناراًفقال لاھلہ المکثوا | طٰہ | 10 | 105 |
| 23 | وحرمنا علیہ المراضع | القصص | 28 | 105 |
| 24 | قالت ما جزاء من ارادا | یوسف | 12 | 105 |
| 25 | فاستجنا لہ ما بہ من ضرٍ | الانبیاء | 84 | 106 |
| 26 | قال ان فیھا لوطاً | العنکبوت | 32 | 106 |
| 26 | ولقد ناذٰ نا نوح فلنعم المجیبون | الصافات | 76/75 | 107 |

# فہرست احادیث


| نمبر شمار | متن حدیث | نام مصدر | حدیث نمبر | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|---|
| 1 | قال رسول الله یاتی علی الناس زمان فیغزوا--- | صحیح بخاری | 3649 | 28 |
| 2 | خیرامتی قرنی ثم الذین یلونهم --- | صحیح بخاری | 3650 | 28 |
| 3 | الله الله فی اصحابی لا تتخذوهم--- | جامع ترمذی | 3862 | 29 |
| 4 | اذا رائتم الذاین یسبون-- | جامع ترمذی | 3866 | 29 |
| 5 | لا تسبواصحابی --- | صحیح بخاری | 3673 | 30 |
| 6 | وَمَا مَعَهُ اِلّا خَمْسَةُ أَعْبُدٍ--- | صحیح بخاری | 3660 | 58 |
| 7 | و انا فی الغار لوان احدهم--- | صحیح بخاری | 3653 | 60 |
| 8 | كُنَّا نُخَيِّرُ بَيْنَ النَّاسِ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ--- | صحیح بخاری | 3655 | 60 |
| 9 | مَالِأَحَدٍ عِنْدَنَا يَدٌ اِلّا وَقَدْ--- | ترمذی | 3661 | 60 |
| 10 | اقتدوا بالذین فی بعدی--- | ترمذی | 3662 | 61 |
| 11 | أللّٰهُمَّ أعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ--- | ترمذی | 3681 | 64 |
| 12 | لَقَدْ كَان فِيْمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الأمَمِ--- | صحیح بخاری | 3486 | 65 |
| 13 | لِكُلِّ نَبِيِّ رَفِيْقٌ وَ رَفِيْقِیْ--- | ترمذی | 3698 | 67 |
| 14 | فَدَخَلَ إِلٰى بُسْتَانٍ فَأَتٰى--- | کنزالعمال | 36267 | 70 |
| 15 | لَأُعْطِيَنَّ الرَّأيَةَ غَدًارَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ--- | صحیح بخاری | 3701 | 74 |
| 16 | لِعَلِيَّ:أَمَا تَرْضَا أَنْ تَكُوْنَ--- | صحیح بخاری | 3706 | 75 |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| 111 | 12259 | معجم الکبیر | من قرابتك الذين أمرنا بمودتهم--- | 17 |
| 112 | 3712 | صحیح بخاری | لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ--- | 18 |
| 113 | 3713 | صحیح بخاری | ارْقُبُوْا مُحَمَّدًا فِيْ أَهْلِ بَيْتِهِ--- | 19 |
| 113 | 4241 | صحیح مسلم | غَدَاةً وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مُّرَحَّلٌ مِّنْ شَعْرٍ--- | 20 |
| 114 | 3746 | صحیح بخاری | عَلَى الْمِنْبَرِ وَالحَسَنُ--- | 21 |
| 115 | 3747 | صحیح بخاری | اللَّهُمَّ إِنِّي أَحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا--- | 22 |
| 116 | 3753 | صحیح بخاری | هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا--- | 23 |
| 118 | 6271 | صحیح مسلم | خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ--- | 24 |
| 119 | 3769 | صحیح بخاری | كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ--- | 25 |

# فہرست مصادر و مراجع

قرآن مجید

1۔ابن اثیر،ابوالحسن، علی بن محمد،اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ،(مکتبہ دارابن حزم،بیروت، لبنان، طبع اول،2012م)

2۔ابن حجر، عسقلانی،احمد بن علی،الاصابہ،(مکتبہ دارالکتب العلمیہ،بیروت، لبنان، طبع چہارم،1995م)

3۔ابن ماجہ،ابوعبد اللہ محمد بن یزید(امام)، سنن ابن ماجہ،(مکتبہ دارالحضارہ للنشر والتوزیع،ریاض، سعودی عرب، طبع دوم، 2015م)

4۔ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی،لسان العرب،(دار صادر،بیروت، طبع اول،1300ھ)

5،ابن عبد البر،ابوعمریوسف بن عبداللہ بن محمد قرطبی، مناقب الامام احمد بن حنبل،(مطبعتہ السعدۃ مجواز محاقطتہ مصر،س۔ن)

6۔ابن تیمیہ،حیاتہ وعمرہ، آراؤہ وفقھہ،(دارالفکر عربی،س۔ن)

7۔ابوالحسین،احمد بن فارس بن ذکریا، معجم مقاییس اللغۃ،(دارالفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع دوم،1979م)

8۔امام جلال الدین سیوطی،الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور،(مکتبہ ھجر، قاہرہ، طبع اول،2003م)

9۔بخاری،ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل(امام)،الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ،(مکتبہ دارالتاصیل،بیروت لبنان، طبع اول،2012م)

10۔بنانی، عبدالرحمن بن جاداللہ مالکی،المعتمد فی اصول الفقہ،(دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان،1403ھ)

11۔ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ(امام)، سنن ترمذی،(مکتبہ دارالغرب الاسلامی،بیروت، لبنان، طبع اول،1996م)

12۔ ثعلبی،احمد بن محمد بن ابراھیم،الکشف والبیان فی تفسیر القرآن،(مکتبہ دارالکتب العلمیہ،بیروت، طبع اول،2004م)

13۔ جرجانی، علی بن محمد، الکتاب التعریفات، (مکتبہ دارالدیان للتراث، قاہرہ، طبع چہارم، 1999م)

14۔ جوہری، اسماعیل بن عماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، (دارالعلم للملایین، بیروت، لبنان، طبع دوم، 1979م)

15۔ ذھبی، ابوعبداللہ، محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز، تجرید اسماء الصحابہ، (مکتبہ دارالمعرفہ للطباعہ والنشر، بیروت، لبنان، طبع دوم، 2012م)

16۔ زبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواہر القاموس، (التراث العربی، کویت، طبع دوم، 1965م)

17۔ سعدی ابوحبیب، ڈاکٹر، القاموس الفقھی، (الناشر، دارالفکر، دمشق، سوریا، طبع دوم 1977م)

18۔ طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر لخمی شامی (امام)، المعجم الکبیر، (مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ، طبع دوم، 1994م)

19۔ طبری، محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، (مکتبہ ھجر، قاہرہ، طبع اول، 2001م)

20۔ لویس معلوف، المنجد، ترجمہ از عبدالحفیظ، مولانا، ابوالفضل، (مکتبہ خزینہ علم وادب، لاہور، پاکستان، (س-ن))

21۔ مدکور، محمد اسلم، مسلم الثبوت فی اصول الفقہ ھامش المستصفیٰ للغزالی، (المطبعۃ الامیریۃ مصر، 1343ھ)

22۔ مزی، جمال الدین، ابوالحجاج یوسف، تھذیب الکمال فی اسماء الرجال، (مکتبہ موسسۃ السالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، طبع دوم، 1983م)

23۔ مسلم، مسلم بن حجاج، ابوالحسن نیشاپوری (امام)، مسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل الی رسول اللہ ﷺ، (مکتبہ دار طیبہ للنشر والتوزیع، ریاض، سعودی عرب، طبع اول، 2006م)

24۔ یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر، ابوعمر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، (مکتبہ دارالجیل، بیروت، لبنان، طبع اول، 1992م)

25۔ اقبال، ڈاکٹر علامہ محمد، کلیات اقبال (اردو)، بانگ درا، جواب شکوہ، (نیشنل فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2018م)

26۔ صبحی صالح، الدکتور، الباحث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث للحافظ ابن کثیر، (جمیعۃ احیاء التراث الاسلامی ادارہ بناء المساجد والمشاریع الاسلامیۃ الضاحیۃ، کویت، 1999م)

27۔ سیوہاروی، سید محبوب علی، اقبال اور حب اہلِ بیت اطہار، (شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س ن)

28۔ اقبال، ڈاکٹر، علامہ محمد، مکتوبات اقبال، سید نذیر نیازی، (اقبال اکادمی، لاہور، پاکستان، 1976م،)

29۔اقبال،ڈاکٹر،علامہ،محمد،خطباتِ اقبال،تجدیدِ فکریاتِ اسلام،مترجم:ڈاکٹر وحید عشرت،نظر ثانی:ڈاکٹر عبدالخالق،اقبال اکادمی،پاکستان،2002م)

30۔اقبال،ڈاکٹر،علامہ،محمد،پیام مشرق،غزل34،(شیخ بشیر اینڈ سنز،لاہور،س۔ن)

31۔ابو عمر،یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر،الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،(مکتبہ دارالجیل،بیروت،طبع اول،1992م)

32۔ہندی،علامہ،علاء الدین علی متّقی،کنز العمال،فضائل ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ،مؤسسۃ الرسالہ(،بیروت،شارع سوریا،طبع خامس،1985م)

33۔غلام رسول مہر،مطالب بانگ درا،(شیخ غلام اینڈ سنز،لاہور،طبع اول،1987م)

34۔محمد ہاشم سندھی،مخدوم علامہ،عہد نبوت کے ماہ وسال،مترجم مولانا محمد یوسف لدھیانوی،(مکتبہ دینیات بنوری ٹاؤن،کراچی،س۔ن)

35۔اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ،(دانش گاہ پنجاب،لاہور،طبع اول1972م)

36۔عبدالحکیم،ڈاکٹر،خلیفہ،فکر اقبال،(بزم اقبال،لاہور1988م)

الاصفھانی،راغب المفردات فی غریب القرآن،(بیروت لبنان،دارالمعرفۃ،س۔ن)

37۔الخوری،سعید،اقرب الموارد فی فصح العربیۃ والشوارد،(مکتبہ آیۃ اللہ العظمی المرعشی النجفی،ایران،1403ھ)

38۔بن کثیر،اسماعیل بن عمر،تفسیر القرآن العظیم،(دار صادر،بیروت،طبع چہارم،2006م)

39۔ابن عطیہ،محمد عبدالحق بن غالب،الاندلسی،المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز،(دارالکتب العلمیۃ،بیروت،لبنان،طبع اول2001م)

40۔ابو عمر،یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر،الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،(مکتبہ دارالجیل،بیروت،طبع اول،1992م)

41۔اقبال،محمد،ڈاکٹر،عرض بہ جناب حضرت نظام الدین اولیاء،باقیات اقبال،(شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار ،لاہور،طبع اول1952)

42۔ گیان چند، ڈاکٹر، ابتدائی کلام اقبال بہ ترتیب مہ و سال، (اردو ریسرچ سنٹر چادر گھاٹ ہائی اسکول لین، عابد روڈ حیدر آباد، طبع دوم 1988م)

43۔ سمیع اللہ قریشی، افکار اقبال، (سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن)

44۔ سیوہاروی، محبوب علی واسطی، اقبال اور حبِ اہلِ بیت اطہار، (شیخ غلام علی سنز، لاہور)

45۔ یوسف حسین، ڈاکٹر، اوج اقبال، لاہور، (اقبال اکیڈمی پاکستان، طبع اول 2001م)